ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
HRCP

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 32...شمارہ نمبر 09...ستمبر 2024

30 اگست — جبری گمشدگیوں کے متاثرین کا عالمی دن

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

فہرست

پریس ریلیزیں	03
ایچ آر سی پی کے ٹوٹیس	05
بلوچستان میں ہونے والے مظاہرے ’منفرد‘ کیوں ہیں؟	06
کھلا خط ۔۔۔	07
پاکستان میں تعصب اور فخر کی روداد	08
حقوق کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟	11
یواین کمیٹی کو پاکستان میں اقلیتوں کی حالتِ زار پر تشویش	12
قلم آزاد	13
پاکستان میں بڑھتی ہوئی مذہبی شدت پسندی	13
تیرہ کی لڑکی نہ سولہ کا لڑکا	14
قابل تجدید توانائی کا ارتقاء	15
مرد کی غیرت اور کلہاڑی	16
یوٹیلیٹی اسٹورز کی بندش کی خبروں پر شہریوں میں تشویش	17

حقوق اور روزگار کی قیمت پر سائبر سکیورٹی نا قابلِ قبول ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو انٹرنیٹ کی روانی میں مسلسل رکاوٹوں پر سخت تشویش ہے جس نے نہ صرف لوگوں کے معلومات کے حق اور اظہار رائے کی آزادی بلکہ ان لوگوں کے روزگار کو بھی متاثر کیا ہے جو چھوٹے کاروبار چلانے یا فری لانس ورکرز کے طور پر کام کرنے کے لیے ایک متواتر موبائل انٹرنیٹ کنیکشن پر انحصار کرتے ہیں۔

ایچ آر سی پی کا ماننا ہے کہ رابطے کا حق کوئی رعایت نہیں بلکہ ایک بنیادی حق ہے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں لاکھوں نوجوان انٹرنیٹ تک رسائی کو اپنے شہری، سیاسی، اقتصادی اور سماجی حقوق کے لیے استعمال کرتے ہوں، وہاں حکومت معلومات کے پھیلاؤ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ پہلے فروری 2024 میں پلیٹ فارم X کی بندش، پھر ایک 'فائر وال' کی تنصیب اور اس کے بعد 'ویب مینجمنٹ سسٹم' کے ذریعے انٹرنیٹ ٹریفک کی نگرانی کرنے کی کوشش اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کی تفصیلات اب تک پوشیدہ ہیں۔

حکومت نے ڈیٹا پرائیویسی کی خلاف ورزیوں سے متعلق پائے جانے والے جائز خدشات کے باوجود ڈیجیٹل حقوق کے کارکنوں کے ساتھ شفافیت اور واضح مشاورت سے مسلسل گریز کیا ہے۔ درحقیقت، ریاست سوشل میڈیا صارفین کے کچھ حلقوں کو 'ڈیجیٹل دہشت گرد' تک قرار دے چکی ہے۔ حکومت کا یہ دعویٰ ناقابل یقین ہے کہ انٹرنیٹ کی بندش اور سست روی کی وجہ ورچوئل پرائیویٹ نیٹ ورکس (وی پی اینز) کا بڑھتا ہوا استعمال ہے، حالانکہ خود حکومتی اراکین اور ریاست وی پی اینز کا استعمال کر رہے ہیں۔

ایچ آر سی پی خاص طور پر ان لاکھوں کم اور درمیانی آمدنی والے جُز وقتی ملازمین (گِگ ورکرز) کے لیے فکرمند ہے جن کا کام، خدمات کی فراہمی اور صارفین کو راغب کرنے اور برقرار رکھنے کی صلاحیت انٹرنیٹ کی سست روی کے باعث بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ جُز وقتی ملازمین مکمل طور پر اپنی دستیاب آمدنی پر انحصار کرتے ہیں اور انہیں کسی قسم کا ملازمتی تحفظ حاصل نہیں۔ مہنگائی کے بحران، خاص طور پر ایک کمزور معیشت کے دوران، ان کے لیے انٹرنیٹ کی بندش اور سست روی کا سامنا کرنا ناقابل قبول ہے۔

حکومت سائبر سکیورٹی کی مبہم بنیادوں پر ایسے اقدامات کو ضروری یا متناسب ثابت کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اسے فوری طور پر مجوزہ فائر وال کو ہٹانا چاہیے اور یقینی بنانا چاہیے کہ تمام شہریوں اور رہائشیوں کو سستی اور قابل اعتماد انٹرنیٹ تک رسائی حاصل ہو۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 30 اگست 2024]

بلوچستان میں 2023 کے دوران سکیورٹی کے مسائل، انسانی حقوق کی پامالیاں اور سیاسی بدنظمی عروج پر رہی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی سالانہ رپورٹ "پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2023" نے بلوچستان میں بڑھتے ہوئے عدم استحکام اور امن وامان کی بگڑتی صورتحال کی نشاندہی کی ہے۔ صوبے میں صرف 2023 میں عسکریت پسندوں کی جانب سے 110 حملوں کی اطلاعات موصول ہوئیں۔

مارچ 2023 میں بولان میں ایک پولیس قافلے پر خودکش حملے میں نو پولیس اہلکار جاں بحق ہوئے، جبکہ ستمبر میں مستونگ میں ایک مسجد کے قریب خودکش حملے میں عام شہریوں سمیت 50 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ نومبر میں تربت میں نامعلوم افراد نے چھ پنجابی مزدوروں کو گولی مار کر قتل کر دیا۔

پچھلے سالوں کی طرح، بلوچستان میں جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل کے واقعات تشویش کا باعث رہے اور ان واقعات میں مجرموں کو سزا نہ ملنا اور حکومتی بے حسی کا عنصر نمایاں رہا۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی سالانہ رپورٹ "پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2023" نے بلوچستان میں بڑھتے ہوئے عدم استحکام اور امن وامان کی بگڑتی صورتحال کی نشاندہی کی ہے۔ صوبے میں صرف 2023 میں عسکریت پسندوں کی جانب سے 110 حملوں کی اطلاعات موصول ہوئیں۔

مارچ 2023 میں بولان میں ایک پولیس قافلے پر خودکش حملے میں نو پولیس اہلکار جاں بحق ہوئے، جبکہ ستمبر میں مستونگ میں ایک مسجد کے قریب خودکش حملے میں عام شہریوں سمیت 50 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ نومبر میں تربت میں نامعلوم افراد نے چھ پنجابی مزدوروں کو گولی مار کر قتل کر دیا۔

پچھلے سالوں کی طرح، بلوچستان میں جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت قتل کے واقعات تشویش کا باعث رہے اور ان واقعات میں مجرموں کو سزا نہ ملنا اور حکومتی بے حسی کا عنصر نمایاں رہا۔

نومبر 2023 میں، نوجوان بلوچ حقوق کے کارکنوں نے ایک بلوچ نوجوان کے ماورائے عدالت قتل کے خلاف تربت سے اسلام آباد تک مارچ کیا۔ مارچ کے شرکاء کو ہراساں کیا گیا اور پولیس نے پرتشدد کارروائیوں کے ذریعے ان کے پرامن اجتماع کے حق کو پامال کیا۔ گوادر میں "حق دو تحریک" ریاست کی جانب سے جبری گمشدگیوں سمیت حقوق کی خلاف ورزیوں اور سیکیورٹی کے غیر معمولی اقدامات کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرتی رہی۔

اظہار رائے کی آزادی محدود رہی اور صحافی سیکیورٹی فورسز، علیحدگی پسند گروہوں اور قبائلی رہنماؤں سمیت مختلف عناصر کی جانب سے انتقامی کارروائیوں کے خوف کے باعث پریس پر پابندیوں کے بارے میں بات کرنے سے ہچکچاتے رہے۔

صوبے میں قانون کی حکمرانی کمزور رہی۔ قومی سطح پر غم و غصے کا باعث بننے والے ایک واقعے میں، صوبائی قانون ساز سردار عبدالرحمان کھیتران پر لوگوں کو نجی جیلوں میں زیرِ حراست رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ملازم کے خاندان کے افراد، جو ان کی خواہشات کو پورا کرنے میں ناکام رہے تھے، کے ساتھ جنسی زیادتی اور انہیں قتل کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔

فوجی اسٹیبلشمنٹ کا غلبہ اگست 2023 میں انوارالحق کاکڑ کے بطور نگراں وزیرِاعظم تقرر کی شکل میں دیکھا گیا۔ کئی سیاسی تجزیہ کاروں نے اس اقدام کو اسٹیبلشمنٹ کی حمایت یافتہ بلوچستان عوامی پارٹی میں ان کی سابقہ پوزیشن سے منسوب کیا۔ مقامی حکومت کی متنازع حلقہ بندیوں کے نتیجے میں کوئٹہ میں انتخابات روک دیے گئے جبکہ بجٹ کی کمی نے حکومتوں کے کام کرنے کی استعداد کو متاثر کیا۔

بلوچستان کی کانوں میں متعدد حادثات پیش آئے: 2023 کے دوران صوبے میں کم از کم 36 کان کن ہلاک اور 40 زخمی ہوئے۔ تاہم، ایک مثبت پیش رفت یہ تھی کہ بلوچستان حکومت نے صوبے کی ماہی گیر برادری کو مزدوروں کا درجہ دینے کا فیصلہ کیا۔

خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات سال بھر رپورٹ ہوتے رہے۔ ایک واقعے میں، ڈیرہ مراد جمالی میں ایک شخص نے شادی کے رشتے سے انکار کرنے پر اپنی نوعمر بیٹی کو قتل کر دیا، جبکہ ایک اور واقعے میں چاغی میں ایک مقامی جرگے نے ایک مرد کے ساتھ 'ناجائز' تعلقات کے الزام میں ایک نوعمر لڑکی کو سزائے موت سنائی۔

[پریس ریلیز۔کوئٹہ۔30 اگست 2024]

ریاست کو معاشی مشکلات سے دوچار لاکھوں لوگوں کو ریلیف فراہم کرنا چاہیے

آج منعقد ہونے والے ایک جلسہ عام میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اور جوائنٹ ایکشن کمیٹی فار پیپلز رائٹس (جیک) نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان لاکھوں عام شہریوں کو ریلیف فراہم کرنے کے لیے فوری اقدامات کرے جو بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے مسائل کا شکار ہیں۔

مقررین نے ریاستی اسٹیبلشمنٹ اور کاروباری، زرعی اور صنعتی اشرافیہ کے درمیان خفیہ اتحاد پر افسوس کا اظہار کیا، جس کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ اس کا نتیجہ دولت کی غیر مساوی تقسیم اور ایک صارفیت پر مبنی معیشت کی صورت میں نکلا ہے جس کے باعث لاکھوں لوگوں کو اپنے اخراجات کو پورا کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔

شرکاء میں جیک کے کنوینر عرفان مفتی، ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق، حقوق کے کارکن محمد تحسین، ماہرینِ تعلیم فہد علی اور سلیمہ ہاشمی، مزدوروں کے حقوق کے کارکن لطیف انصاری، فاروق طارق اور روبینہ شکیل، ہیومن رائٹس واچ کے نمائندے سروپ اعجاز، اور طلبہ کے حقوق کے کارکن علی رضا اور مزمل کاکڑ شامل تھے۔

شرکاء نے ایک قرارداد منظور کی جس میں اشیائے ضروریہ جیسے کہ خوراک، ایندھن اور ضروری ادویات کی قیمتوں کو کنٹرول کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ محنت کش طبقے سے تعلق رکھنے والے گھرانوں کو بجلی، گیس، پینے کے پانی، انٹرنیٹ اور پبلک ٹرانسپورٹ پر سبسڈی دی جانی چاہیے۔

اگرچہ گزارے کے قابل اجرت (لونگ وِیج) مقرر کی جانی چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ تمام گھرانے مناسب معیار زندگی اپنانے کے قابل ہو سکیں، تاہم اس حوالے سے ایک قلیل مدتی اقدام یہ ہونا چاہیے کہ کم از کم اجرت میں افراطِ زر کے تناسب سے اضافہ کیا جائے۔ غیر رسمی شعبے میں کام کرنے والی خواتین کے لیے منصفانہ اور مساوی اجرت کو یقینی بنانے کے لیے بھی فوری اقدامات کیے جانے چاہئیں۔

موجودہ سماجی تحفظ کے پروگراموں میں توسیع کی جائے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ کمزور گھرانے غربت کی لکیر سے نیچے نہ جائیں۔ پنشن، صحت کی سہولیات اور بے روزگاری سے متعلق فوائد کا حق سب کو دستیاب ہونا چاہیے۔

تعلیم اور صحت کے سالانہ بجٹ کو جی ڈی پی کے کم از کم 4 سے 6 فیصد تک بڑھایا جانا چاہیے تاکہ حکومت عالمی معیار کی مفت پرائمری تعلیم، اسکولوں میں مفت کھانا، سستی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم، اور صحت کی مفت سہولیات کی فراہمی کے قابل ہو سکے۔

ریاست کو روزگار کے مواقع پیدا کرنے پر توجہ دینی چاہیے، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو تنازعات یا موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے بے گھر ہوئے ہیں۔ حکومت کو یہ بھی یقینی بنانا چاہیے کہ کارکنوں کے ساتھ ڈسپوزایبل اشیاء جیسا سلوک نہ کیا جائے اور یہ کہ تمام لوگوں کے محفوظ حالاتِ کار کے حق کا تحفظ کیا جائے۔ بالواسطہ ٹیکسز کی شکل میں عائد کیے گئے غیر منصفانہ ٹیکسز کو ختم کر کے ان کی جگہ ترقی پسند ٹیکس نافذ کیے جائیں۔

[پریس ریلیز۔کوئٹہ۔22 اگست 2024]

انسانی اسمگلنگ کو حقوق کی خلاف ورزیوں کے تناظر میں دیکھا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اپنی حال ہی میں جاری کردہ رپورٹ "خطرناک سفر: پاکستان میں انسانی اسمگلنگ" کے ذریعے بے ضابطہ مہاجرین کے حقوق کی خلاف ورزیوں کی جانب فوری توجہ دلائی ہے۔ یہ رپورٹ ممتاز شخصیت فخرالدین جی ابراہیم فیلوشپ کے تحت تیار کی گئی ہے۔

رپورٹ میں انسانی اسمگلنگ کو محض ایک بین الاقوامی جرم کے بجائے انسانی حقوق کی ایک سنگین خلاف ورزی کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ انسانی اسمگلنگ کے شکار افراد کو تشدد، بھتہ خوری، زیادتی، بلیک میلنگ، قید اور یہاں تک کہ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انسانی اسمگلنگ کے نیٹ ورکس کے ذریعے بے ضابطہ ہجرت عموماً معاشی مجبوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تاہم یہ عمومی تاثر کہ مہاجرین غیر قانونی طور پر سرحدیں عبور کرنے کا انتخاب خود کرتے ہیں اور یوں سفر کی مشکلات اور استحصال کو قبول کر لیتے ہیں، کی وجہ سے انسانی اسمگلنگ کو دیگر استحصالی سرگرمیوں جیسے کہ انسانی ٹریفکنگ جتنی توجہ نہیں ملی۔

رپورٹ میں ایک ایسے بے ضابطہ مہاجر کے سفر کو دستاویزی شکل میں پیش کیا گیا ہے، جس نے پنجاب سے ترکی تک (بلوچستان اور ایران کے ذریعے زمینی راستے سے) خطرناک سفر کرنے کے لیے ایک انسانی اسمگلنگ کے نیٹ ورک سے رجوع کیا۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان سے بے ضابطہ ہجرت کی

بنیادی وجوہات بیروزگاری، مواقع کی کمی، غربت، عدم تحفظ اور تنازعات ہیں۔ انسانی اسمگلنگ کے ایجنٹ نوجوان اور کمزور افراد کو نشانہ بنانے اور انہیں مغربی ممالک کے سفر کی ترغیب دینے میں ماہر ہوتے ہیں۔ انسانی اسمگلنگ کے نیٹ ورکس کی منظم کارروائیاں مجرمانہ اداروں سے ملتی جلتی ہیں۔ یہ نیٹ ورک خود کو برقرار رکھتے ہیں اور بہت سے سابق مہاجرین خود انسانی اسمگلر بن جاتے ہیں۔

اگرچہ ''مہاجرین کی اسمگلنگ کی ممانعت کا ایکٹ 2018" کے تحت ایف آئی اے کو انسانی اسمگلنگ کی تحقیقات اور اس کے خلاف کارروائی کا اختیار دیا گیا ہے، لیکن ایچ آر سی پی کی رپورٹ دلیل پیش کرتی ہے کہ اس پیمانے پر بین الاقوامی کارروائیاں ایف آئی اے کے علم اور ممکنہ ملی بھگت کے بغیر ممکن نہیں۔

رپورٹ کے نتائج اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پاکستان کو زمینی، بحری اور فضائی راستوں سے مہاجرین کی اسمگلنگ کے خلاف پروٹوکول کی توثیق اور اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے۔ تاہم، مہاجرین جن ممالک کا سفر کرتے ہیں، ان پر بھی بے ضابطہ مہاجرین کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ "مہاجرین کی اسمگلنگ کی ممانعت کا ایکٹ 2018" میں ترمیم کر کے اسے انسانی حقوق کے لحاظ سے مؤثر بنایا جائے تاکہ متاثرین کو سفر سے پہلے اور سفر کے دوران پیش آنے والی زیادتیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

ایف آئی اے میں بھی اصلاحات کی ضرورت ہے تاکہ وہ 2018 کے ایکٹ کے تحت اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، اور ایف آئی اے کے اہلکاروں پر اضافی نگرانی کی جائے تاکہ کرپشن کو روکا جاسکے، جو انسانی اسمگلنگ کے نیٹ ورک کو بے خوفی سے کام کرنے کا موقع دیتی ہے۔ طویل مدت میں، ریاست کو معاشی حالات کو بہتر بنانے اور بہتر مواقع فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ غیر قانونی ہجرت کے دباؤ کو کم کیا جاسکے۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 28 اگست 2024]

ایچ آر سی پی کے ٹویٹس

9 اگست: ایچ آر سی پی آرمی چیف کے حالیہ بیان پر سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ جو لوگ آئین کو نہیں مانتے یا شریعت پر عمل نہیں کرتے انہیں پاکستان کا شہری نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ بیان غیر ذمہ دارانہ ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کی مذہبی اقلیتیں جنہیں آئین اپنے عقیدے کا اظہار کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حق دیتا ہے، مساوی شہریت کے مستحق نہیں ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ بیان اقلیتوں کے قومی دن، جو 11 اگست 1947 کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں قائداعظم کی تقریر کی یاد میں منایا جاتا ہے، جس میں انہوں نے تمام اقلیتوں کے لیے مساوی شہریت کا تصور پیش کیا تھا سے چند روز قبل دیا گیا ہے۔

19 اگست: ایچ آر سی پی کو سندھ میں مسلسل پولیس مقابلوں، بشمول سیاسی حزب اختلاف کے خلاف، کی اطلاعات پر سخت تشویش ہے۔

صرف حیدرآباد میں ہی گزشتہ کئی دنوں میں کم از کم چار ایسے واقعات رپورٹ ہوئے ہیں، جن میں متعدد مشتبہ افراد باضابطہ طور پر حراست میں لیے جانے سے قبل فائرنگ کے تبادلے میں شدید زخمی ہوئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ سندھ پولیس نے 2023 میں صوبے میں صرف ایک سال کے دوران 3,000 سے زیادہ پولیس مقابلے ریکارڈ کیے تھے۔ یہ عمل معین قانونی ضابطے کے تحت سلوک کے حق کے ساتھ ساتھ تشدد اور حراستی موت (روک تھام اور سزا) ایکٹ 2022 اور تشدد کے خلاف کنونشن، جس کا پاکستان فریق ہے، کے تحت ریاست کی قانونی ذمہ داریوں کی بھی خلاف ورزی ہے۔

ایچ آر سی پی مطالبہ کرتا ہے کہ مجرموں کا محاسبہ کیا جائے اور پولیس کی جانب سے طاقت کے غیر قانونی اور بے جا استعمال کو روکنے کے لیے سخت اقدامات کیے جائیں۔

26 اگست: ایچ آر سی پی بلوچستان کے علاقہ موسیٰ خیل میں شہریوں پر ہونے والے سفاکانہ حملے کی شدید مذمت کرتا ہے، جس میں عسکریت پسندوں نے کم از کم 23 مسافروں کو گاڑیوں سے اتار کر ان کے شناختی کارڈ دیکھنے کے بعد انہیں فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔

قلات اور بولان میں مسلح افراد کے متوازی حملوں میں بھی ہلاکتیں ہوئی ہیں جس کے نتیجے میں مرنے والوں کی تعداد کم از کم 40 ہو گئی ہے۔ یہ حملے حالیہ برسوں میں صوبے میں عسکریت پسندوں کے تشدد کے بدترین واقعات میں سے ایک ہیں۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ قصورواروں کا سراغ لگا کر ان کا قانون کے مطابق سختی سے محاسبہ کیا جائے۔ بلوچستان کے مسائل حل کرنے میں تشدد، خصوصاً غیر مسلح افراد کے خلاف، کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

اگرچہ ہمیں صوبے میں منظم باغیوں کی جانب سے تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات پر سخت تشویش ہے، تاہم ہم اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ ریاست کو بلوچستان میں رہنے والے معصوم شہریوں کے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجیے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

بلوچستان میں ہونے والے مظاہرے 'منفرد' کیوں ہیں؟

ہارون جنجوعہ (ع ب، اب ا)

تجزیہ کاروں کے مطابق صوبہ بلوچستان میں بڑے پیمانے پر ہونے والے حالیہ مظاہرے مقامی آبادی میں بڑھتی ہوئی بے اطمینانی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ماضی میں اتنی زیادہ پاکستانی خواتین اپنے حقوق کے لیے سڑکوں پر کبھی نہیں نکلیں

پاکستان کے شورش زدہ صوبہ بلوچستان کے بندرگاہی شہر گوادر میں چین کے تعاون سے ایک نئے بین الاقوامی ہوائی اڈے کا افتتاح کیا جا رہا ہے۔ چینی میڈیا نے جون میں خبر دی تھی کہ ہوائی اڈے کو اس سال مکمل کر کے مقامی حکام کے حوالے کر دیا جائے گا۔

یہ ہوائی اڈہ پاک چائنہ اقتصادی راہداری (سی پیک) کا حصہ ہے۔ خیال رہے کہ سی پیک چین کے بین الاقوامی بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو (بی آر آئی) کا ہی حصہ ہے۔

اگرچہ گوادر کے ہوائی اڈے کی وجہ سے اقتصادی ترقی میں مدد ملے گی لیکن اس علاقے میں بہت سے لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ مقامی بلوچ کمیونٹی نے حالیہ دنوں میں پاکستانی حکومت کے خلاف بڑے پیمانے پر مظاہرے کیے۔ یہ کمیونٹی ان تعمیراتی منصوبہ جات کو قدرتی وسائل کی غیر منصفانہ استحصال کے طور پر دیکھتی ہے۔

بلوچستان میں بڑے پیمانے پر مظاہرے

شہری، سیاسی اور سماجی و اقتصادی حقوق کے لیے مہم چلانے والی انسانی حقوق کی تنظیم بلوچ یکجہتی کمیٹی (بی وائی سی) نے بلوچستان بھر میں لوگوں کو متحرک کیا ہے اور بڑی ریلیوں کا انعقاد کیا ہے۔

بی وائی سی کی رہنما ماہرنگ بلوچ نے ڈی ڈبلیو کو بتایا کہ وہ 'بلوچ نسل کشی کے خلاف ایک تحریک' منظم کر رہی ہیں، جس میں پاکستانی حکام پر ہزاروں جبری گمشدگیوں اور ماورائے عدالت ہلاکتوں کا الزام لگایا گیا ہے۔

اس خاتون بلوچ رہنما نے مزید کہا، "بلوچستان میں سرمایہ کاری کرنے والا چین یا کوئی اور ملک بلوچ نسل کشی میں براہ راست ملوث ہے۔ مکران کی ساحلی پٹی میں جبری گمشدگیوں اور جبری نقل مکانی کی شرح بہت زیادہ ہے۔ وہ ہمارے وسائل کو لوٹ رہے ہیں اور مقامی بلوچوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔''

لیکن پاکستانی فوج نے بی وائی سی کو دہشت گردوں اور جرائم پیشہ مافیا کے لیے 'پراکسی' قرار دیا۔

فوج کے میڈیا ونگ کے سربراہ احمد شریف چوہدری نے گزشتہ ہفتے صحافیوں کو بتایا تھا کہ بی وائی سی کی حکمت عملی دراصل غیر ملکی فنڈنگ کے ذریعے ہجوم جمع کرنا، لوگوں میں بے چینی پھیلانا، پتھراؤ، توڑ پھوڑ کے ذریعے سرکاری اتھارٹی کو چیلنج کرنا اور غیر معقول مطالبات کرنا ہے۔

سی پیک میں گوادر کا کلیدی کردار

چین نے 2015ء میں سی پیک منصوبے کا اعلان کیا تھا، جس کا مقصد پاکستان اور وسطی اور جنوبی ایشیا میں اپنے تجارتی روابط اور اثر و رسوخ کو بڑھانا تھا۔ اس منصوبے کا ایک مقصد چین کے مغربی صوبے سنکیانگ کو پاکستان کے راستے سمندر سے جوڑنا بھی تھا۔ یوں چین کے لیے تجارتی راستے کم ہو جائیں۔

دوسری طرف پاکستان کو تقریباً دو ہزار کلومیٹر طویل اس اقتصادی راہداری کی وجہ سے تجارت، بنیادی ڈھانچے اور صنعتی ترقی سے فائدہ ہوگا، جس کی مالی اعانت چین کرے گا۔

بلوچستان میں ماہی گیری کا ایک چھوٹا سا شہر گوادر اس منصوبے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ راہداری کو عالمی شپنگ نیٹ ورک سے جوڑنے کے لیے اس کا انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ شہر آبنائے ہرمز اور ایرانی سرحد کے قریب واقع ہے۔

گوادر کی گہرے سمندر کی بندرگاہ سن 2007 میں مکمل ہوئی تھی جبکہ 2013ء میں اسے ایک چینی آپریٹنگ کمپنی کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اس بندرگاہ کو ایک نئے اسپیشل اکنامک زون میں ضم کیا جائے گا، جس کی بدولت گوادر ایک مصروف بندرگاہی شہر میں تبدیل ہو جائے گا۔

سکیورٹی کی 'غیر مستحکم' صورتحال

اربوں ڈالر مالیت کے اس بڑے منصوبے کے باوجود بلوچستان پاکستان کا سب سے غریب اور سب سے کم آبادی والا صوبہ ہے۔ قدرتی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کا الزام عائد کرنے والے علیحدگی پسند گروہ گزشتہ کئی دہائیوں سے پرتشدد کارروائیوں میں بھی ملوث بتائے جاتے ہیں۔

بلوچ رہنما بھی شکایت کرتے ہیں کہ اسلام آباد اور صوبہ پنجاب ان کے وسائل کا غیر منصفانہ استحصال کر رہے ہیں۔

اسلام آباد حکومت اگرچہ صوبہ بلوچستان میں شورش کو ختم کرنے کے لیے عسکری کارروائیاں بھی کرتی رہی ہے، لیکن وہاں سکیورٹی کی حالت مخدوش ہی بتائی جاتی ہے۔ بلوچ علیحدگی پسندوں نے پاکستان میں چینی مفادات کو بھی نشانہ بنایا ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس صوبے میں پاکستانی حکام کے اقدامات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ فوج اور اس کی خفیہ ایجنسیوں کی جانب سے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی کئی رپورٹس سامنے آئی ہیں۔

ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل کے مطابق رواں سال کے پہلے سات ماہ میں بلوچستان میں دہشت گردی سے متعلق 248 واقعات رپورٹ ہو چکے ہیں۔

دفاعی تجزیہ کار قمر چیمہ نے فوجی تنصیبات پر عسکریت پسندوں کے حملوں کا حوالہ دیتے ہوئے صوبے کی سلامتی کی صورتحال کو 'غیر مستحکم' قرار دیا۔

انہوں نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے، جہاں بیجنگ نے بہت زیادہ سرمایہ کاری کی ہے، وہیں امن اور استحکام کی بھی ضرورت ہے اور ریاست کو صورتحال کو قابو میں لانے کے لیے کام کرنا چاہیے۔''

بلوچوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں حالیہ بڑے پیمانے پر ہونے والے مظاہرے مقامی آبادی میں بڑھتی ہوئی بے اطمینانی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

سیاسی تجزیہ کار ملک سراج اکبر نے ڈی ڈبلیو کو بتایا کہ پاک چائنہ اقتصادی راہداری کے نتیجے میں چین دراصل بلوچ اور اسلام آباد کے درمیان تنازعے میں الجھ گیا ہے۔

بلوچستان کی کوریج کرنے والے صحافی اور تبصرہ نگار کیا بلوچ نے ڈی ڈبلیو کو بتایا کہ بی وائی سی کی قیادت والی حالیہ بلوچ تحریک گوادر کے بارے میں بیجنگ اور اسلام آباد کی پالیسیوں کی مخالفت کرتی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ سی پیک کے آغاز کے ایک عشرے بعد بھی گوادر کو ہانگ کانگ یا دبئی جیسے شہر میں تبدیل کرنے کے وعدے پورے نہیں ہو سکے۔

کیا بلوچ نے ان مظاہروں میں خواتین کی غیر معمولی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ 'یہ مظاہرے منفرد' ہیں۔ نہ صرف بلوچستان بلکہ پاکستان بھر میں اس سے پہلے اتنی زیادہ خواتین اپنے حقوق کے لیے سڑکوں پر نہیں نکلی ہیں۔

(بشکریہ ڈی ڈبلیو)

کھلا خط۔۔۔

ایچ آر سی پی کے ورکنگ گروپ نے اقلیتوں کے تحفظ کے لیے فوری اقدامات کا مطالبہ کیا ہے

آئین پاکستان کے آرٹیکل 20 اور 21 اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے، اس پر ایمان لانے اور اس کی تبلیغ کرنے کے حقوق کو آئین پاکستان کے آرٹیکل 20 اور 21 کے تحت بنیادی حقوق کے طور پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی عدالت عظمیٰ نے مختلف فیصلوں کے ذریعے اس حق کو برقرار رکھا ہے، خاص طور پر عدالت عظمیٰ کے 2014 کے فیصلے نے۔ پاکستان بین الاقوامی ذمہ داریوں کی انجام دہی اور سفارشات پر عملدرآمد کا بھی پابند ہے جنہیں ریاست نے اپنے چوتھے عالمگیر ادواری جائزے کے دوران قبول کیا تھا۔ سب سے بڑھ کر، مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق بانی پاکستان محمد علی جناح کے ریاست پاکستان کے وژن کا لازمی حصہ تھا۔

اس کے باوجود مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں معمول بن چکی ہیں۔ ہجومی تشدد، جبری تبدیلی مذہب، توہین مذہب کے جھوٹے الزامات، نفرت انگیز تقاریر اور عبادت گاہوں پر حملے اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ مذہبی اقلیتیں خوف اور جبر کے ماحول میں رہ رہی ہیں۔ اپنے حصے کے لیے، ریاست نے بہت طویل عرصے سے انتہائی دائیں بازو کے مذہبی گروہوں کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہیں اور تنوع سے عاری بنیاد پرست معاشرے کی تشکیل میں سہولت کاری کی ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے مختلف مذاہب اور عقائد کے رہنماؤں پر مشتمل ایک قومی بین العقائد ورکنگ گروپ قائم کیا ہے جس میں وکلاء، صحافی اور انسانی حقوق کے دفاع کار شامل ہیں۔ اقلیتوں کے قومی دن پر، یہ گروپ ریاست سے اقلیتوں کے خلاف نفرت اور تشدد کی بڑھتی ہوئی لہر پر قابو پانے کا مطالبہ کرتا ہے:

1 عدالت عظمیٰ کے 2014 کے فیصلے کو صحیح معنوں میں نافذ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اقلیتوں کے لیے ایک خود مختار قانونی قومی کمیشن کی تشکیل اور ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی اہمیت کی جگہوں کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے جائیں۔ انہیں ہجوم کے تشدد، انفرادی شر پسندوں اور ریاستی اور غیر ریاستی عناصر کے غیر قانونی قبضوں سے بھی محفوظ کیا جائے۔

2 یہ اچھی طرح سے واضح کریں کہ ریاست کسی بھی قسم کی نفرت انگیز تقریر (آن لائن یا دوسری صورت میں)، تشدد کی ترغیب یا ہجوم کی زیر قیادت تشدد، بشمول ملاؤں اور انتہائی دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں یا گروہوں کے تشدد کو برداشت نہیں کرے گی۔ نہ صرف اس طرح کے حقوق کی خلاف ورزیوں کے مرتکب افراد کو جوابدہ ٹھہرایا جانا چاہیے اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جانی چاہیے، بلکہ متاثرین کو جان یا مال کے نقصان کے عوض معاوضہ بھی ملنا چاہیے، مگر اس سے مجرموں کے محاسبے پہ کوئی فرق نہیں پڑھنا چاہیے۔

3 دینی مدارس کو بھی سختی سے ضابطے میں لایا جائے تاکہ وہ اقلیتوں کے خلاف نفرت اور عدم برداشت کی افزائش گاہ بننے سے بچ سکیں۔ کونسل، ضلعی، ڈویژنل اور صوبائی سطحوں پر حسب ضرورت کثیر المذاہب امن کمیٹیاں قائم کی جائیں یا بحال کی جائیں اور انہیں انسانی حقوق کے اصولوں اور عملی سرگرمیوں کے بارے میں باقاعدگی سے تربیت دی جائے۔ ایسی کمیٹیوں کو اقلیتوں کے خلاف تشدد اور دیگر حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات کے بارے میں درست اعداد و شمار مرتب کرنے اور اس حوالے سے ریاست کی کارروائی کو قلمبند کرنے کے لیے بھی ذمہ دار بنایا جانا چاہیے۔

4 توہین رسالت کے جھوٹے الزامات کی بڑھتی ہوئی تعداد کا سدباب کرنے کے لیے ایسے الزامات لگانے والوں کو جوابدہ ٹھہرایا جائے۔ پارلیمنٹ کو توہین مذہب کے قوانین کے غلط استعمال پر سنجیدگی سے بحث شروع کرنی چاہیے اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ان کا استعمال ذاتی تنازعات طے کرنے یا کمزور افراد یا گروہوں کو نشانہ بنانے کے لیے نہ ہو۔ مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں بڑے پیمانے پر بیداری پیدا کی جائے اور اس تصور کے بارے میں شعور دیا جائے کہ قومی طاقت مذہبی اور نسلی تنوع میں مضمر ہے۔ اس حوالے سے سرکاری اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے اساتذہ کی تربیت اور بھرتی بھی کی جائے تاکہ سماج میں مساوات کا تصور قبولیت پائے جبکہ تعلیمی نصاب سے ہر قسم کا امتیازی مواد بھی ختم کیا جائے۔

5 مذہبی اقلیتوں کے روزگار، تعلیم اور سیاسی شرکت کے حق کے تحفظ اور فروغ کے لیے مثبت اقدام کریں۔ وفاقی اور صوبائی سطحوں پر ملازمتوں میں اقلیتوں کے کوٹے پر مکمل عملدرآمد کیا جائے۔ ریاست کو عدلیہ، سول سروس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں میں اقلیتوں کے افراد کی شمولیت کو فروغ دینا چاہیے جبکہ سیاسی جماعتوں کو فیصلہ سازی کے اہم عہدوں کا کم از کم 5 فیصد مختلف عقائد رکھنے والے طبقوں کے لیے مختص کرنا چاہیے۔

کم عمری کی شادیوں اور مذہب کی جبری تبدیلی کو جرم قرار دیں۔ یہ ایسے خلاف ورزیاں ہیں جن میں اکثر کم آمدنی والے اقلیتی گھرانوں کی لڑکیاں اور خواتین نشانہ بنتی ہیں۔ اور فیملی کورٹس کے ججوں کو تربیت دیں کہ وہ اس طرز کے مقدمات کا بین الاقوامی اصولوں کے مطابق فیصلہ کریں۔

(اسد اقبال بٹ، چیئر پرسن ایچ آر سی پی)

پاکستان میں فخر اور تعصب کی روداد

حارث خلیق

11 اگست 1947 کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی اہم ترین سرکاری تقریر کسی سیاسی اجتماع سے نہیں بلکہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے کی۔

تقریباً آغاز میں انہوں نے کہا: " آئین ساز اسمبلی کو دو اہم کام انجام دینے ہیں۔ پہلا پاکستان کے مستقبل کے آئین کی تشکیل کا ایک بہت مشکل اور ذمہ دارانہ کام ہے، اور دوسرا کام یہ ہے کہ پاکستان کی وفاقی مقننہ ایک مکمل اور خودمختار ادارے کے طور پر کام کرے۔

اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا: " آپ دیکھیں گے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے، مذہبی لحاظ سے نہیں، کیونکہ یہ ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے، بلکہ سیاسی معنوں میں، ریاست کے شہری کے طور پر۔

انہوں نے ریاست کے وفاقی کردار کے لیے اپنے وژن کی توثیق کی، جہاں تمام وفاقی اکائیوں کا برابر حصہ ہوگا، جیسا کہ پہلی بار 1940 کی قرارداد لاہور میں ذکر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ذاتی عقیدے سے قطع نظر سب کے لیے مساوی شہریت کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابتدائی برسوں سے ہی پاکستان میں موجود طاقتوں نے ایک ایسا سیاسی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو جناح کے خیالات کے برعکس تھا، خاص طور پر 1949 میں قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد جس میں جنرل ضیاء الحق نے 1984 میں مزید تبدیلیاں کی تھیں۔ ایک طرف، اس کے بعد سے پاکستان کا سفر علاقائی تفاوت اور صوبائی عدم مساوات سے پیدا ہونے والے نسلی جھگڑوں سے متاثر ہوا ہے۔ دوسری طرف، مذہبی انتہا پسندی کو بھی فروغ دیا گیا جس میں وقت گزرنے کے ساتھ اضافہ ہوتا گیا۔

ایک ملک کے طور پر 77 سال کے وجود کے بعد، ہم نسلی، صوبائی، مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کو ایک بار پھر مضبوط ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں سے نفرت انگیز تقریر اور اس کے نتیجے میں ہونے والے تشدد کے واقعات مسلسل رپورٹ ہو رہے ہیں۔ سیاسی اختلافات بھی تلخ دشمنی میں تبدیل ہو گئے ہیں، جس کے نتیجے میں مخالف سیاسی نظریات کے لیے برداشت مکمل طور پر ختم ہو گئی ہے۔

یہ بڑھتے ہوئے تعصّبات بالآخر مختلف شکلوں میں مزید انتہا پسندی اور تشدد کا باعث بنیں گے۔ نتیجتاً ملک میں مذہبی اور نسلی اقلیتیں ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔

جب ہم 14 اگست کو ملک کے 78 ویں یوم آزادی کے قریب پہنچ رہے ہیں تو اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھنے کا راستہ بتاؤں، مجھے اس بات کا جائزہ لینے دیں کہ پاکستانی ریاست اور معاشرے نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے اور ہم آج کہاں کھڑے ہیں۔ ثقافتی تعصّبات کی بہت سی قسمیں ہیں۔ وہ تعصّبات جو آج کی نسل کو ماضی قریب سے وراثت میں ملے ہیں، جو ہمارے خیالات کو حال میں ڈھالتے رہتے ہیں۔ یہ تعصّبات ہم تک ہمارے خاندان، اساتذہ، دوستوں، ساتھیوں، ساتھیوں، سیاستدانوں اور مذہبی علماء سے منتقل ہوتے ہیں۔

جیسا کہ پاکستان کا معاملہ ہے، بہت سے طبقاتی، نسلی، مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصّبات وقت کے ساتھ ساتھ دانستہ یا غیر ارادی طور پر ریاستی پالیسی کی غلط ترجیحات کے ذریعے پروان چڑھائے گئے ہیں۔

یہ تعصّبات بار بار وحشیانہ تشدد، نجی اور سرکاری املاک کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچانے اور ملک کے مختلف حصوں میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کا باعث بنے ہیں۔ لیکن ہمارے ذہین طبقے کا ایک بڑا حصہ ان سے کوئی بھی سبق سیکھنے سے انکاری ہے اور مسلسل انکار کی حالت میں زندگی گزار رہا ہے۔

میں ایک واقعہ سنانا چاہوں گا جو ویسے تو ایک بہت ہی مختلف قسم کے تعصب کو ظاہر کرتا ہے لیکن یہ سمجھنے میں میری مدد کرتا ہے کہ تعصّبات کیسے پروان چڑھتے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ خود کو ظاہر کرتے ہیں۔ 12 سال کی عمر میں مجھے پہلی مرتبہ تعصب کا سامنا کرنا پڑا جب میں اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، اگرچہ میں کانٹے کا استعمال کر رہا تھا۔ میری پھوپھی کے شوہر نے میری آنکھوں میں دیکھا اور مجھے جھنجھوڑ دیا۔ انہوں نے برملا کہا کہ جو لوگ بائیں ہاتھ سے کھاتے یا لکھتے ہیں وہ شیطان کے پیروکار اور مغرب کے غلام ہیں۔ میں نے گھبرا کر کھانا چھوڑ دیا۔

اس وقت تک، میں نے اس بارے میں تھوڑا سا پڑھا تھا کہ بائیں ہاتھ کے استعمال کو مشرقی اور مغرب دونوں کی پرانی ثقافتوں میں ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پھر مجھے پتا چلا کہ موجودہ دور میں بھی کچھ لوگ کسی بھی قسم کے فرق کے لیے فوری طور پر حقارت کا مظاہرہ کیسے کر سکتے ہیں، چاہے وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

اس واقعے نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جب لوگ کسی ایسے شخص سے ملتے ہیں جو بالکل مختلف ہوتا ہے، تو اس سے ان میں کسی بڑی چیز کے بارے میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ نظریہ، نسل، مذہب یا ثقافت سے نفرت کرتے ہیں۔

امتیازی سلوک کو جائز ثابت کرنا۔ 1971 میں، نسلی اور لسانی تعصب کے نتیجے میں پاکستان کو پہلا بڑا سانحہ پیش آیا، یعنی مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کا قیام، اور وہ بھی برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے صرف 24 سال بعد۔

بنگلہ دیشی ریاست کے وجود میں آنے کے پیچھے کئی اقتصادی اور سیاسی وجوہات ہیں۔ لیکن اس وقت کے مغربی پاکستان میں آزادی کے فوراً بعد مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کے خلاف جس تعصب کی آبیاری کی گئی اس نے مغربی پاکستان میں عام لوگوں کے ذہنوں کو بنگالیوں کو غدار کے طور پر دیکھنے میں مدد دی۔

سوائے چند لوگوں کے، ملک کے مغربی بازو کے بہت سے لوگ نسلی تعصب کی وجہ سے اندھے ہو گئے اور وہ اردو کے نام پر مغربی پاکستان کی لسانی عصبیت کو نہیں دیکھ سکے جو جزوی طور پر زبان کے حوالے سے جناح کی غلط فہمی پر مبنی تھی۔ مشرقی پاکستان کے دائمی معاشی استحصال اور خطے کی سیاسی محرومی نے معاملات کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔

مغربی پاکستان کے صوبوں کو 'ون یونٹ' میں تبدیل کرنے اور جب ان کی آبادی ہم سے زیادہ تھی، اس وقت مشرقی پاکستانیوں کو برابری کے اصول پر راضی کرنے کے بعد پاکستان کو جمہوریہ کے آئین پر اتفاق کرنے میں نو سال لگے۔ 1958 میں فوج کے قبضے کی وجہ سے وہ آئین بھی دو سال سے زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا۔

پاکستان کے پہلے فوجی حکمران اور جمہوریہ کے خودساختہ صدر جنرل ایوب خان نے اپنی سوانح عمری 'فرینڈز ناٹ ماسٹرز' میں بنگالیوں کے خلاف جس تعصب کا اظہار کیا وہ مغربی پاکستان کے بااثر دانشوروں میں عام تھا۔

دیگر تضحیک آمیز تبصروں کے علاوہ، وہ بنگالیوں کے بارے میں کہتے ہیں: "ان کی گرم اور مرطوب آب و ہوا انہیں جسمانی طور پر نقصان پہنچاتی ہے اور رابطوں کی کمی اور خطے کی دلدلی نوعیت انہیں الگ تھلگ اور اپنے ہی ماحول میں محدود بنا دیتے ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ وہ خفیہ، غیر سماجی اور غیر متوقع ہیں۔" غور کیجیے کہ یہ کتاب 1967 میں شائع ہوئی تھی جب پاکستانیوں کی اکثریت بنگالیوں پر مشتمل تھی۔

بلاشبہ 1971 کی جنگ کے دوران بین الاقوامی مداخلت اور بھارتی فوجی مداخلت ایک حقیقت ہے، لیکن ہمیں بطور پاکستانی اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ بجائے اس

کے کہ ہم اپنی تاریخی غلطیوں کو قبول کریں تاکہ ہم ان کا دوبارہ ارتکاب نہ کریں، پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کا ایک حصہ، دانشوروں کے کچھ حلقوں کی مدد سے، قابل تردید باتوں کا استعمال جاری رکھے ہوئے ہے اور پروپیگنڈا پر مبنی ایسا مواد پھیلاتا ہے جسے صرف وہی مانتے ہیں جو اسے تیار کرتے ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ ڈھاکہ کے میر پور اور محمد پور کیمپوں میں پھنسے ہوئے لاکھوں غیر بنگالی پاکستانیوں کا ذکر کرنے سے گریز کرتے ہیں جنہیں کبھی واپس نہیں لایا گیا۔

پرتشدد مظلومیت۔ 1980 کی دہائی کے آخر اور 1990 کی دہائی کے اوائل میں، نسلی تشدد نے پورے سندھ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جس میں ہزاروں قیمتی جانیں گئیں۔ ضیاء کے مارشل لاء کی پالیسیوں سے اس کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی، جس سے ان لوگوں کے ذہنوں میں مظلومیت کا شدید احساس پیدا ہوا جو 1947 میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے سندھ ہجرت کر گئے تھے۔

ہم نے ہوئے دوسری اور تیسری نسل کے مہاجروں مہاجر قومی موومنٹ کو منظم کرتے دیکھا، بعد میں اس کا نام متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) رکھ دیا گیا، جو کہ آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (اے پی ایم ایس او) کی ایک شاخ ہے جس کی بنیاد 1978 میں رکھی گئی تھی۔ کراچی میں منصوبہ بندی کے تحت پختون-مہاجر فسادات اور حیدرآباد میں سندھی-مہاجر فسادات کے فوری بعد پارٹی نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔

ایم کیو ایم کی قیادت نے دائمی مظلوم ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ صرف دیگر لسانی کمیونٹیز پر حملہ کرنے کے لیے مہلک تشدد کا سہارا لیا، بلکہ بڑے پیمانے پر دہشت پھیلائی اور اپنے ہی لوگوں کو قتل کیا۔

پاکستانی سیاست کے معمول کے طریقہ کار کے مطابق، ریاستی حامیوں کا ایم کیو ایم کی بانی قیادت کے ساتھ جلد ہی اختلاف ہو گیا۔ پارٹی کی اپنی صفوں میں تقسیم پیدا ہو گئی، نیز دوسروں کے ساتھ تصادم بھی جاری رہا۔ بے رحم شہری جنگ نے طاقتور حلقوں کو کراچی میں وسیع پیمانے پر پولیس اور فوجی کارروائیاں شروع کرنے کا بہانہ فراہم کیا، جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد ہلاک ہوئے، جن میں سے بہت سے بے گناہ تھے۔ ایک طرف ایم کیو ایم کے کارکنوں اور دوسری طرف بڑی تعداد میں پنجابیوں اور پختونوں پر مشتمل کانسٹیبلری کے درمیان نسل پرستانہ دشنام طرازی کا تبادلہ شروع ہوا، جس کی گونج کم آمدنی والے مہاجروں کی اکثریت والے محلوں میں سنائی دینے لگی۔ شہر کی دیواروں پر نسل پرستانہ تحاریر دکھائی دینا ایک عام سی بات تھی۔ ایک پوری نسل انہی دشنام طرازیوں اور تحریروں کو اپناتے ہوئے پروان چڑھی۔

بیگانگی اور غداری۔ بلوچ طویل عرصے سے ناراض ہیں اور پاکستانی ریاست سے بیگانگی کا شدید احساس رکھتے ہیں۔ یہ ریاستی مشینری کی جانب سے شروع سے ہی طاقتور عسکری اقدامات جیسے کہ جناح کے دور میں ریاست قلات کے جلد بازی میں الحاق سے لے کر جنرل ایوب کے دور تک، اور سب سے اہم، وسائل کی منصفانہ تقسیم کی عدم موجودگی کا براہِ راست نتیجہ ہے۔ 1960 کی دہائی میں ایوب نے بلوچ رہنما نواب نوروز خان کو بھی دھوکہ دیا تھا اور ان کے بیٹوں کو شہید کر دیا تھا۔

شہری، سیاسی اور معاشی حقوق کے معاملات کو حل کرنے کے لیے ایوب کی طرح کی حکمت عملی تب سے جاری ہے۔

بلوچوں کے لیے موت اور تباہی کا سبب بننے والے متعدد فوجی آپریشن، بلوچ کارکنوں کی جبری گمشدگیاں اور سب سے بڑھ کر ریاست کی طرف سے مقامی سیاسی عمل میں مسلسل مداخلت نے صورتحال کو مزید بگاڑ دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں صوبے میں بسنے والے بلوچوں اور خاص طور پر پنجابی نژاد لوگوں کے درمیان نسلی کشیدگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

پنجابی شہریوں، جن میں زیادہ تر مزدور ہیں، پر حملے یا یا انہیں مارے جانے کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ طاقتوں نے ماضی سے نہ تو کچھ سیکھا ہے اور نہ ہی وہ اس پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ وہ اب بھی بلوچ شہری مزاحمت کے اصل خدشات کو دور کرنے کے لیے حقیقی سیاسی مکالمے کو نہیں سمجھتے۔ لاہور اور کراچی جیسی جگہوں سے اطلاعات ہیں کہ بلوچ طلباء کو بے ترتیب اٹھایا جاتا ہے، زیر حراست رکھا جاتا ہے اور انہیں شدید تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

پختون طلباء کا بھی یہی حشر ہوتا ہے، خاص طور پر اگر انہیں پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) جو ایک غیر متشدد گروپ ہے، کے حامی تصور کیا جاتا ہو۔ اگرچہ پشتونوں کا پاکستان کی معیشت اور حکومت میں زیادہ حصہ ہے، لیکن اپنے علاقے میں جاری بے انتہا تصادم کے باعث بہت سے ایسے ہیں جو پاکستان کی ریاست سے وہی بے گانگی محسوس کرتے ہیں جو بلوچ محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح سے خیبر پختونخواہ (نئے ضم شدہ اضلاع سمیت) میں دہشت گردی کے خاتمے کے لیے فوجی آپریشن کیے گئے ہیں اس نے شہریوں اور ریاست کے درمیان شدید عدم اعتماد پیدا کر دیا ہے۔

حالیہ برسوں میں، سندھ کے ساتھ ساتھ سندھی اور پختون باشندوں کے درمیان بھی کشیدگی بڑھتی دکھائی رہی ہے، جس کی وجہ کے پی اور افغانستان کی جنگوں سے متاثرہ علاقوں سے پختونوں اور افغانوں کی سندھ میں مسلسل نقل مکانی ہے۔

مذہبیت اور فرقہ واریت۔ پاکستان میں مذہبی اور فرقہ وارانہ کشیدگی ہمارے ابتدائی سالوں کی طرح برقرار ہے۔

شیعہ-سنی فسادات، جو بعد میں شیعہ جلوسوں اور عبادت گاہوں پر متواتر حملوں میں بدل گئے، وہ گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران کوئٹہ سے پاراچنار اور گلگت سے کراچی تک، ممتاز پیشہ ور افراد کی خون ریزی پر منتج ہوئے ہیں۔ بلوچستان میں ہزارہ برادری کو ان کی نسل کی بنا پر سے اور زیادہ تر اسلام کے شیعہ فرقے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دوہرا خطرہ لاحق ہے۔ انہیں وحشیانہ تشدد کا سامنا رہا ہے جس کے نتیجے سینکڑوں لوگ مارے گئے ہیں۔ اکثریتی مسلم کمیونٹی میں مسیحی اور ہندو مخالف جذبات بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے گئے ہیں۔ مسیحی، ہندو اور کبھی کبھار سکھ بھی حملوں کی زد میں رہتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کا 2014 کا تاریخی جسٹس تصدق جیلانی فیصلہ، جس میں اقلیتوں کے تحفظ کے لیے کچھ ٹھوس اقدامات کیے گئے تھے، پر عمل درآمد ہونا باقی ہے۔

ان کمیونٹیز میں کم آمدنی والے طبقے کو بھی تعلیم اور ملازمتوں تک رسائی میں خفیہ اور واضح امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔ اندازوں کے مطابق، کوٹہ طے ہونے کے بعد بھی اقلیتوں کے لیے مختص تقریباً 20,000 اسامیاں پچھلے کئی سالوں سے خالی پڑی ہیں۔

پاکستان میں غیر مسلموں کی صحیح مردم شماری ایک دیرینہ مسئلہ ہے۔ متجنس افراد کی طرح ان کا بھی یہ کہنا ہے کہ انہیں کم شمار کیا جاتا ہے۔ ہم جبری تبدیلی مذہب، خاص طور پر اقلیتی لڑکیوں کی، اور صفائی کے کارکنوں، جو زیادہ تر معاشرے کے نچلے درجے سے تعلق رکھنے والے مسیحی ہیں، کے ساتھ ہونے والے غیر انسانی سلوک سے بھی واقف ہیں۔

1980 کی دہائی میں توہین مذہب کے قوانین کو مزید سخت کرنے کے بعد، ان قوانین کے اکثر غلط استعمال کی وجہ سے تمام کمیونٹیز کے سروں پر تلوار لٹک رہی ہے۔ توہین مذہب کے الزام میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، لیکن اقلیتی برادریوں سے تعلق رکھنے والوں کا تناسب ان کی مجموعی آبادی کے مقابلے بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ، لوگ مستقل بنیادوں پر قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں۔ معاشرے کی طرف سے محنت کش مسیحیوں اور ہندوؤں کے ساتھ امتیاز ان کی مختلف مذہبی عقائد کے ساتھ ساتھ ان کی کم سماجی حیثیت پر بھی مبنی ہے۔ لاہور میں پہلے احمدی مخالف فسادات 1953 کے اوائل میں پیش آئے۔ یہ ذوالفقار علی بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے دوران، پاکستانی پارلیمنٹ کی جانب سے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کیے جانے سے 21 سال پہلے کی بات ہے۔ ان کے اخراج کے بعد بھی یہ تناؤ برقرار ہے اور بعض قوانین میں ترمیم کی گئی ہے جس سے ان کے مذہبی اور برادری کے معاملات کو مزید محدود ہو گئے ہیں۔

اس سے افراد اور ان کی عبادت گاہوں پر حملوں اور ان کی

قبروں کی بے حرمتی کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا ہوگیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق، نوبل انعام یافتہ پروفیسر عبدالسلام کے مقبرے کو بھی کچھ نامعلوم افراد نے نقصان پہنچایا تھا۔

پاکستانی معاشرہ ان مذہبی تنظیموں کے ہاتھوں یرغمال ہے جو نفرت کا پرچار کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً تشدد کو ہوا دیتے ہیں۔ ریاستی ادارے یا تو شریک جرم پائے جاتے ہیں یا مذہبی انتہا پسندی کا مؤثر حل نکالنے کی بجائے عارضی اور غیر مؤثر حل پیش کرتے ہیں۔

طبقاتی اور ذات پات کی تفریق

ذات اور طبقے کے لحاظ سے، نہ صرف ہماری اشرافیہ کی اکثریت بلکہ متمول اور غیر متمول متوسط طبقے بھی غریب مخالف اور ذات پات کے حامی ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستانی خیراتی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ یہ ایک قابل قدر روایت ہے۔ اس کے باوجود، جب معاشی عدم توازن کو درست کرنے کے لیے عوامی ڈھانچہ جاتی اصلاحات اور تمام لوگوں کے لیے سماجی انصاف اور یکساں مواقع کی بات آتی ہے تو اشرافیہ اور متوسط طبقے فوراً مزاحمت کرتے ہیں۔

ان میں سے ایک بڑی اکثریت اپنے کاروباری ملازمین یا گھریلو ملازمین کو تو کم تنخواہ دیتی ہے لیکن مساجد یا مزاروں پر کھانا تقسیم کرتی ہے۔ وہ مزدوری کے لیے اجتماعی سودے بازی کے حقوق، یا گھریلو مدد کو منظّم کرنے، یا زمینی اصلاحات متعارف کرانے، یا بے زمین کسانوں کو سہولت فراہم کرنے کے خلاف ہیں۔ وہ کان کنوں، ماہی گیروں اور جز وقتی مزدوروں (گِگ ورکرز) کے لیے مناسب حالاتِ کار تشکیل دینے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ریاستی پالیسی اشرافیہ اور متوسط طبقے کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہاں، میں اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ ہمیں غیر اہم ہونے کی مختلف سطحیں دیکھنے کو ملتی ہیں جہاں ذات اور طبقہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر آپ ایک غریب مسلمان مرد ہیں تو آپ پسماندہ ہیں۔ اگر آپ ایک غریب مسلمان عورت ہیں تو آپ زیادہ پسماندہ ہیں۔ اگر آپ ایک غریب غیر مسلم مرد ہیں تو آپ اس سے بھی زیادہ پسماندہ ہیں۔ اگر آپ ایک غریب غیر مسلم خاتون ہیں تو آپ سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔

انفرادی زندگیوں پر اثرات۔ پاکستانیوں میں تعصّبات کی بہتات، ان تمام ممکنہ اختلافات کے لحاظ سے جن کی ہم حمایت کرتے ہیں لیکن جو لوگ ریاست کے سرکاری مذہب میں پیدا ہوتے ہیں اور ایک متنوع ماحول میں پرورش پاتے ہیں، جنہیں تعلیم تک رسائی اور بیرونی دنیا کا تجربہ ملتا ہے، انہیں واضح سماجی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جب ہم کسی تعصب کا سامنا کرتے ہیں تو ہم کچھ وقت کے لیے جذباتی طور پر پریشان ہو سکتے ہیں، لیکن ہم طویل عرصے تک متاثر نہیں ہوتے۔

لیکن جو لوگ نسلی یا فرقہ وارانہ بنیادوں پر مسلسل تعصّبات کا سامنا کرتے ہیں وہ بدلے میں اپنے اندر مزید سخت تعصّبات کو جنم دیتے ہیں۔ اگر دور سے دیکھا جائے تو یہ تعصّبات مضحکہ خیز لگ سکتے ہیں۔ لیکن یہ تعصّبات ہمارے سیاسی اور سماجی نظام میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے ہمارے تعصّبات پر مبنی امتیازی سلوک اور تشدد کے بڑے واقعات کو ایک طرف رکھ دیں۔

عام لوگوں کو روزانہ کی بنیاد پر درپیش امتیاز، مسلسل تضحیک، دائمی خوف، منظّم اخراج، اور سماجی ظلم کا تصور کریں۔

اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والی ایک مسیحی خاتون کے بارے میں سوچیں، جو اپنے برتن نہ رکھنے کی صورت میں چائے کا کپ نہیں خرید سکتی۔ یا سوچیں کہ شیڈولڈ کاسٹ ہندو کھیت مزدور کو دوسرے لوگوں کی طرح ایک ہی نلکے سے پانی پینے کی اجازت نہ ہو۔ یا کسی احمدی کو کسی گروسری اسٹور میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ یا کوئی شیعہ بچہ اسکول جاتے ہوئے اور راستے میں دیواروں پر ''شیعہ کافر'' (شیعہ کافر ہیں) کے نعرے پڑھ رہا ہو۔

ایک معذوری کے ساتھ زندگی گزارنے والی عورت کا تصور کریں جسے ہر دوسرے دن یہ سننے کو ملتا ہو کہ وہ اپنے والدین کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے، ایک 10 سالہ پختون لڑکا اسکول جانے کے بجائے ایک بڑے شہر کی سڑکوں پر جوتے پالش کر رہا ہو اور اس کے کچھ گاہکوں نے اس کے ساتھ ذلت آمیز برتاؤ کیا ہو، یا ایک نو سالہ غذائیت کی کمی کا شکار پنجابی گھریلو ملازمہ ایک چار سالہ کھاتے پیتے بچے کی دیکھ بھال کر رہی ہو۔ تصور کریں کہ عام لوگوں کو ان کی ذات، طبقے، نسل، مذہب، جنس، جنسی رجحان، رنگت یا جسمانی معذوری کی بنیاد پر کتنی توہین اور حقارت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آگے بڑھنے کا راستہ۔ دنیا کے باقی حصے میں امتیاز اور تعصّبات کے مسائل کو مختلف سطحوں پر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر بڑی انسانیت ایک قدم پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ لیکن پھر ایک لمحہ آتا ہے جب یہ دو قدم آگے بڑھتی ہے۔ پاکستان میں، ہم کم ہوتی امید کے ساتھ، ایک مسلسل تنزلی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر ملک کو مکمل افراتفری اور باہمی جنگ کے بڑھتے ہوئے خطرات سے بچانا ہے تو ایک بڑی فکری اور مادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

سماجی سطح پر، کلاس روم، عوامی مقامات، کام کی جگہ یا میڈیا کے ذریعے رائے عامہ تشکیل دینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو ان مسائل کے حوالے سے حساس بنائیں، تاکہ معاشرتی رویوں میں تبدیلی ممکن ہو سکے۔

بنیادی طور پر یہ ہمارے فنکاروں، ادیبوں، اساتذہ اور صحافیوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایک ایسا ماحول بنائیں جس میں سیاست دان اور مُلا کسی فرد یا گروہ کو کمزور کرنے کے لیے کسی عقیدے، نسل، ذات یا طبقے کو استعمال نہ کریں۔ ہمیں فرد اور اجتماعِ عمل کے حصے کے طور پر خوف کو ترک کرنا ہوگا۔

سیاسی سطح پر، یہ کسی اور کی نہیں بلکہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قلیل مدتی مفادات سے بالاتر ہو کر پاکستان کے متنوع لوگوں، بلوچستان سے گلگت بلتستان تک، صنفی اقلیتوں بشمول خواجہ سراؤں سے لے کر معذوری کے ساتھ جیتے افراد اور ان لوگوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا ازالہ کرے جنہیں معاشرہ منحرف تصور کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی اکثریت کی زندگی سے مختلف طریقے سے گزارنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نصاب اور مرکزی میڈیا میں تاریخ کو مسخ شدہ کرنے کے سلسلے کو فوری طور پر روکا جانا چاہیے، جو کہ نصاب میں بنیادی اصلاحات اور میڈیا کے مباحثوں میں ایمانداری کے ذریعے ممکن ہے۔ ہم ایک شاندار مستقبل تشکیل نہیں دے سکتے اگر ہم ایک ایسے شاندار ماضی پر اصرار کرتے رہیں جو کبھی حقیقت میں تھا ہی نہیں۔ ہم نے ماضی میں بڑی غلطیاں کی ہیں۔ اگر انہیں عظمت کی فرضی کہانیوں سے چھپایا گیا، جو جھوٹی انا اور خود پسندی کو فروغ دیتی ہیں تو ہم انہیں دوبارہ دوہرائیں گے۔

فوری عملی اقدامات کا مطلب صرف 1973 کے آئین کی پاسداری اور وفاقیت کے اصول کا احترام ہے، جہاں تمام صوبے (وفاقی اکائیاں) برابر ہوں اور وہ مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے درمیان تقسیمِ اختیارات کی پاسداری کریں۔ اس کا مطلب آئین کی 18ویں ترمیم کو منسوخ کرنا نہیں بلکہ مضبوط کرنا ہے، جو وفاق کی اکائیوں/صوبوں کو مناسب اختیارات تفویض کرتی ہے مزید برآں، تمام مذاہب کے افراد کے لیے مساوی شہریت کو یقینی بنانا ہوگا، جس کی شروعات 2014 میں جسٹس تصدق جیلانی کے سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کے نفاذ سے ہونی چاہیے۔

اگر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہر شہری کے حقوق اور آزادیوں کی ضمانت دی جائے، تمام عقائد کا یکساں احترام کیا جائے، تمام زبانوں کو فروغ دیا جائے اور ریاست کی طرف سے شہریوں کو یکساں معاشی مواقع فراہم کیے جائیں۔ یہ تمام باتیں 1973 کے آئین میں پہلے سے موجود ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔

بصورت دیگر ہمارے تعصّبات بالخصوص نسلی اور مذہبی اس سے بھی بدتر شکلوں میں بدل جائیں گے۔ ہم متذبذب، جاہل، اور غیر متوازن افراد پیدا کرتے رہیں گے جو اجتماعی طور پر ایک عدم برداشت، بکھرے ہوئے، مشتعل اور متشدد معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔

حقوق کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟

فرح ضیاء

تصور کریں کہ آزادی کے دن کسی ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال پر لکھنا کتنا عجیب ہے! ایک طرف حکومت کی جانب سے جشن آزادی کو 'غیر معمولی جوش وخروش' کے ساتھ منانے کے عزم کی بات سننا، جشن کی نگرانی کے لیے ایک خصوصی کمیٹی کا قیام، اور دوسری طرف اخبار میں ایک اور واقعہ پڑھنا جس میں ایک مسیحی خاتون کو گوجرہ کے قریب ایک گاؤں میں مبینہ طور پر قرآن مجید کے صفحات کی بے حرمتی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق شکایت کرنے والا اس کا ہمسایہ تھا، اور وہاں ایک ہجوم بھی تھا جس نے موٹر وے ایم-4 کو بلاک کر دیا اور اس کی گرفتاری کا مطالبہ کیا (خبر کا تعلق ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ہے) یہی وہ تضاد ہے جو بار بار سامنے آتا ہے۔

انسانی حقوق کی صورتحال پر لکھنے کا اصل چیلنج یہ ہے کہ کہاں سے آغاز کیا جائے اور کس کو ترجیح دی جائے، بغیر اس مایوسی کے کہ حالات دن بدن بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔

جب ریاست اور معاشرہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث ہوں تو آپ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ "انسانی حقوق باہم جڑے ہوئے اور ناقابل تقسیم ہیں۔" مجموعی صورتحال مایوس کن نظر آتی ہے کیونکہ آئینی فریم ورک جو بنیادی آزادیوں اور مساوی شہریت کے نظریات پر مبنی ہے، خود ریاست کی جانب سے مسترد کیا جا رہا ہے اور پامال ہو رہا ہے۔ انسانی حقوق عام طور پر جمہوری ماحول میں پنپتے ہیں؛ تو پھر کیا توقع کی جا سکتی ہے جب جمہوریت خود ایک رسمی شکل تک محدود ہو جائے؟

تو کہاں سے آغاز کیا جائے؟

شاید، حالیہ سیاسی پیش رفت کا تجزیہ کرنا ایک مناسب نقطہ آغاز ہو: شاید رواں سال فروری میں ہونے والے عام انتخابات اور ان سے پہلے اور بعد کے واقعات کو دیکھنا۔ ہم نے ایک سیاسی عمل کا مذاق بنایا جو لوگوں کو ووٹ دینے، حکومت منتخب کرنے یا بدلنے، اپنے نمائندوں کو جوابدہ بنانے اور جمہوری طرز حکمرانی میں حصہ لینے کا حق دیتا ہے۔ یہ پہلی بار نہیں ہوا، لیکن اس بار بھی اس بڑے اور مہنگے عمل کی ساکھ کو کھلے عام نقصان پہنچایا گیا۔

ایک مقبول جماعت کو روکنے کے لیے ہر قسم کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کی گئیں۔ غیر قانونی گرفتاریاں، جبری گمشدگیاں، دھمکیاں اور آڈیو اور ویڈیو لیکس سامنے آئیں۔ بہت سے افراد نے پارٹی کو چھوڑ کر حکومت کی حمایت یافتہ جماعت میں شمولیت اختیار کی یا انہیں مہم چلانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ آخر کار، تمام امیدواروں سے پارٹی کا نشان واپس لے لیا گیا۔ نتیجتاً، عدالتوں کو لامتناہی قانونی جنگوں میں الجھا دیا گیا، اور تمام فریقین کی جانب سے جانبداری کے الزامات لگائے گئے۔

حال ہی میں ایک وزیر نے اعلان کیا کہ حکومت اس جماعت پر پابندی لگانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ کوئی نیا مطالبہ نہیں تھا۔ اس کا ذکر انتخابات سے بہت پہلے، مئی 2023 میں اُس وقت کے وزیر دفاع نے بھی کیا تھا۔ آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انتخابات ملتوی کیے گئے۔ نگران حکومتوں نے اپنے آئینی مینڈیٹ اور مدت سے تجاوز کیا۔

9 مئی کے واقعات کو دہشت گردی کے واقعات کے طور پر دیکھا گیا، لیکن پھر بھی ملزمان کو انسداد دہشت گردی کی عدالتوں میں ٹرائل کے لیے پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ انہیں فوجی عدالتوں میں پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا؛ معاملہ اب بھی سپریم کورٹ میں زیر التوا ہے؛ ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ انسداد دہشت گردی کی عدالتوں — یا کسی بھی عدالت کو — 2015 میں ناکافی سمجھا گیا تھا، جب ایک آئینی ترمیم کے ذریعے فوجی عدالتوں کا قیام، اگرچہ ایک مقررہ مدت کے لیے، عمل میں لایا گیا تھا تاکہ دہشت گردی کے الزامات کا سامنا کرنے والوں پر مقدمہ چلایا جا سکے۔

یہی وہ چیلنج ہے جس کا سامنا انسانی حقوق کے دفاع کاروں کو ہے: ایک سیاسی نظام جو قوانین کا استعمال لوگوں اور سیاسی مخالفین کے حقوق کو محدود کرنے کے لیے کرتا ہے۔ قوانین کی کتابوں میں نوآبادیاتی دور کے قوانین جیسے کہ بغاوت کا قانون، اجتماع کی آزادی کے خلاف قوانین، توہین مذہب کے قوانین، نفرت انگیز تقریر کے قوانین، فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز وغیرہ موجود ہیں۔ ان قوانین میں نوآبادیاتی دور کے بعد کے قوانین شامل کیے گئے ہیں جیسے کہ ملک مخالف سرگرمیوں کی روک تھام کا ایکٹ، ایکشن اِن ایڈ آف سول پاور ریگولیشن 2011، الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا ایکٹ 2016 وغیرہ۔ ان قوانین میں سے جو بنیادی حقوق پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوا ہے وہ انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 ہے۔ اب اسے بھی ناکافی سمجھا جا رہا ہے۔ لہذا سیاسی نظام ایسے قوانین کی فہرست میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

اظہار رائے، اجتماع اور نقل و حرکت کی آزادی کی بات نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے۔ پرامن مارچ اور احتجاجی مظاہروں کو ریاست کی جانب سے بنوں، گوادر اور کوئٹہ میں اسی طرح نشانہ بنایا گیا جیسے بڑے شہروں میں۔

لیکن معاشرے کے پسماندہ طبقوں کے انسانی حقوق کے حوالے سے بڑے منظرنامے کا جائزہ لینا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ یہ 11 اگست ہے، اور ایسے میں اس مسیحی خاتون کا کیس سامنے آتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا یا سرگودھا کے مجاہد کالونی میں نذیر مسیح کی ہجوم کے ہاتھوں ہلاکت کا واقعہ، جہاں بیشتر ملزمان کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ سرگودھا کا واقعہ جڑانوالہ کے بعد پیش آیا تھا، جسے انسانی حقوق کی کمیونٹی نے ایک بہت بڑا واقعہ قرار دیا تھا، اور جس نے بین الاقوامی سطح پر توجہ حاصل کی تھی، اور اس لیے یہ ریاست کے لیے ایک تنبیہ تھی۔ اقلیتی عبادت گاہوں پر حملے، کبھی کبھار انتظامیہ کی مبینہ ملی بھگت سے، جاری ہیں۔ احمدیوں کے عبادت کے حق کو، حتیٰ کہ ان کے گھروں کے اندر، اب محدود کیا جا رہا ہے۔

حال ہی میں ایک بین المذاہب ورکنگ گروپ کے اجلاس میں اراکین نے کہا کہ مذہبی اقلیتوں کے لیے صورتحال مزید بگڑ رہی ہے، جنہیں "ہجرت یا تبدیلی مذہب" پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ نصابی اصلاحات، اساتذہ، علما اور پولیس کی تربیت اور ایک انتہا پسند معاشرے سے نمٹنے کے لیے امتیازی قوانین میں تبدیلی کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔ شرکاء نے مزید کہا کہ ریاست کی خاموشی سازش کے مترادف ہے، جس سے اقلیتیں مزید غیر محفوظ ہو رہی ہیں۔

ایک اور گروہ جو انتہائی غیر محفوظ ہے اور جس کے پاس کوئی قانونی تحفظ نہیں ہے وہ نام نہاد 'غیر رجسٹرڈ غیر ملکی' ہیں۔ ان میں اکثریت افغان باشندوں کی ہے جو دہائیوں سے پاکستان میں رہ رہے ہیں۔ گزشتہ سال کے آخر میں ایک ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے ان سب کو ایک ماہ کے اندر ملک بدر کرنے کا حکم دیا گیا، جو ان کی جبری واپسی کے مترادف تھا۔ پاکستان کے پاس پناہ گزینوں کے حوالے سے کوئی حقوق پر مبنی داخلی پالیسی نہیں ہے جو ان کی باعزت اور محفوظ طریقے سے رضاکارانہ واپسی کو یقینی بنائے، جس کا ان کے مطلع شدہ رضامندی پر مبنی ہونا ضروری ہے تاکہ وہ واپس جا کر معاشرے میں دوبارہ ضم ہو سکیں۔

انسانی حقوق کی صورتحال افسوسناک ہے اور خلاف ورزیوں کی فہرست لامحدود ہے۔ کچھ وقت کے بعد، چیلنجز کی فہرست بنانا بے معنی لگتا ہے۔ ایک طاقتور اسٹیبلشمنٹ، ایک اکثریتی مذہب اور ایک مرکزی ریاست اکٹھ مل کر ہر طرح کے حقوق کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، آئینی اصولوں، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ آگے بڑھنے کا راستہ ان قوتوں کی ترتیب کو درست کرنے میں مضمر ہے۔

یواین کمیٹی کو پاکستان میں اقلیتوں کی حالتِ زار پر تشویش

نسلی امتیاز کے خاتمے پر اقوام متحدہ کی کمیٹی (سی ای آر ڈی) نے پاکستان، ایران، عراق اور برطانیہ سمیت سات ممالک کی صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ نسل کی بنیاد پر ہر طرح کی تفریق کے خاتمے کے کنونشن پر کماحقہ عملدرآمد میں ناکام ہیں۔

کمیٹی نے اپنے تازہ ترین اجلاس میں ان ممالک کی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اپنی رپورٹ پیش کی ہے جس میں اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے سفارشات بھی دی گئی ہیں۔ دیگر تین ممالک میں بیلاروس، بوسنیا ہرزیگووینا اور وینزویلا شامل ہیں۔

پاکستان: اقلیتیں اور ہجوم کا انصاف

کمیٹی نے پاکستان کی صورتحال پر اپنی رپورٹ میں صوبہ پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں رواں سال مئی سے جون تک توہین مذہب کے الزامات اور ملزموں کی ہجوم کے ہاتھوں ہلاکتوں اور نسلی و مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی تباہی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسے جرائم کا ارتکاب کرنے والے چند ہی لوگوں کو گرفتار کر کے سزائیں دی گئیں اور بقیہ قانونی کارروائی سے بچ نکلے۔

کمیٹی نے توہین مذہب کے الزامات کا سامنا کرنے والوں کے لیے شفاف قانونی کارروائی کے حق پر زور دیتے ہوئے مشتبہ ملزموں کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ملک میں مبینہ طور پر توہین مذہب کا ارتکاب کرنے والوں کو طویل قانونی کارروائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں پولیس کی حراست میں بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کی کمیٹی نے پاکستان کی حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو متشدد انتقامی کارروائیوں سے تحفظ دے، توہین مذہب کے قوانین کو واپس لے، ملزموں کے خلاف شفاف قانونی کارروائی کو یقینی بنائے اور اس معاملے میں تشدد کے تمام واقعات کی تحقیقات کر کے مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لائے۔ کمیٹی نے غیر ملکیوں کی ملک سے بیدخلی منصوبے کے تحت بڑے پیمانے پر لوگوں کو ملک بدر کیے جانے پر بھی تشویش ظاہر کی ہے جس سے سات لاکھ افراد متاثر ہوئے۔ ان میں اپریل اور جون 2024 کے درمیانی عرصہ میں ملک سے نکالے جانے والے 101,000 افراد بھی شامل ہیں۔ کمیٹی نے گزشتہ سال ستمبر سے دسمبر تک بڑی تعداد میں افغان شہریوں کو ہراساں کرنے، ان کی جبری ملک بدری اور 28,500 افراد کو قید میں ڈالے جانے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ایسے اقدامات کے نتیجے میں بہت سے افغان پناہ گزین خوفزدہ ہو کر پاکستان سے واپس چلے گئے تھے۔

کمیٹی نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ ملک بدر کیے جانے والے لوگوں کی صورتحال کا فرداً فرداً جائزہ لے اور استحصال کے سامنے غیر محفوظ لوگوں کو ملک بدری سے ہونے والے نقصان کو کم سے کم رکھنے کے اقدامات کرے۔

اقوام متحدہ کی کمیٹی نے پاکستان سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ پناہ گزینوں کے بارے میں 1951 کے کنونشن اور اس کے اختیاری ضابطے (1967) کی توثیق کرے۔

ایران: مظاہرین پر جبر

کمیٹی نے ایران میں قانون نافذ کرنے والے حکام کی جانب سے نسلی و مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے احتجاجی مظاہرین کے حقوق کی پامالیوں پر بھی سنگین تشویش ظاہر کی ہے۔ اس حوالے سے نومبر 2019، جولائی 2021 اور ستمبر 2022 میں ہونے والے احتجاج کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جن علاقوں میں مظاہرین کے حقوق کو پامال کیا گیا ان کی اکثریتی آبادی نسلی و مذہبی اقلیتوں پر مشتمل ہے۔

رپورٹ میں ایران پر زور دیا گیا ہے کہ وہ احتجاجی مظاہروں کے دوران ریاستی کرداروں کی جانب سے حقوق کی پامالیوں کے الزامات کی فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات اور متاثرین کے نقصان کا ازالہ کرے۔

کمیٹی نے ان اقلیتوں کی غیر متناسب طور سے اور ناجائز گرفتاریوں، ہلاکتوں اور انہیں اسلامی ضابطہ فوجداری کے تحت حد سے زیادہ سزائیں دیے جانے پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

عراق: بے گھر افراد سے بدسلوکی

کمیٹی نے عراق میں اندرون ملک بے گھر ہونے والے شہریوں کے تمام کیمپ رواں سال کے آخر تک بند کیے جانے کے فیصلے پر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس اقدام سے ان لوگوں کو اپنی مرضی کے خلاف ان علاقوں میں آنا پڑے گا جو جنگ میں بری طرح تباہ ہو چکے ہیں۔

اپنی رپورٹ میں کمیٹی نے عراق کی حکومت سے کہا ہے کہ وہ ان لوگوں کی محفوظ اور رضا کارانہ واپسی یقینی بنائے اور انہیں اپنے علاقوں میں دوبارہ بسنے، بنیادی سہولیات اور خدمات کی فراہمی میں مدد مہیا کرے۔

کمیٹی نے ملک میں جنگی جرائم، انسانیت کے خلاف جرائم یا نسل کشی کے خلاف قانونی نظام کی عدم موجودگی کا تذکرہ کرتے ہوئے متاثرین کے نقصان کی عدم تلافی کو باعث تشویش قرار دیا ہے۔ رپورٹ میں عراق کی حکومت پر زور دیا گیا ہے کہ وہ دہشت گرد تنظیم داعش کے مظالم کا نشانہ بننے والی یزیدی متاثرہ خواتین کے حوالے سے بنائے گئے قانون کے تحت متاثرین کے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے فوری اقدامات عمل میں لائے۔ کمیٹی نے ملکی پارلیمان سے نسل کشی، جنگی جرائم اور انسانیت کے خلاف جرائم کی روک تھام کے لیے قوانین منظور کرنے کے لیے بھی کہا ہے۔

برطانیہ: بڑھتی نسل پرستی

اقوام متحدہ کی کمیٹی نے برطانیہ میں کئی طرح کے پلیٹ فارم پر، سیاست دانوں اور عوامی شخصیات کی جانب سے اظہار نفرت اور غیر ملکیوں کی مخالفت کو تشویشناک قرار دیا ہے۔ اس نے نسلی و مذہبی اقلیتوں، تارکین وطن، پناہ گزینوں اور پناہ کے خواہش مند لوگوں کے خلاف انتہائی دائیں بازو کے انتہا پسندوں اور سفید فام برتری کے حامیوں اور گروہوں کی جانب سے نسل پرستانہ اقدامات اور تشدد پر سنگین خدشات کا اظہار کیا ہے۔ ان میں رواں سال جولائی کے اواخر اور اگست کے اوائل میں ہونے والے پرتشدد اقدامات بھی شامل ہیں۔

کمیٹی نے برطانیہ پر زور دیا ہے کہ وہ غیر ملکیوں سے نفرت کے اظہار کا خاتمہ کرنے کے جامع اقدامات پر عملدرآمد کرے اور خاص طور پر سیاسی اور عوامی شخصیات کی جانب سے ایسے اظہار کو روکے۔ کمیٹی نے نسلی بنیاد پر نفرت کے جرائم کی مفصل تحقیقات اور ان کے ذمہ داروں کو کڑی سزا دینے کے ساتھ متاثرین اور ان کے خاندانوں کو ہونے والے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے بھی کہا ہے۔

کمیٹی نے نسلی اقلیتوں بالخصوص بچوں کو پولیس کی جانب سے روکے جانے اور ان کی برہنہ تلاشی کے غیر متناسب اثرات پر بھی تشویش ظاہر کی ہے۔ علاوہ ازیں، اس نے سکیورٹی اہلکاروں کی جانب سے مہلک طاقت کے حد سے زیادہ استعمال، اس معاملے میں احتساب کے فقدان اور متاثرین کے خاندانوں کی ناکافی مدد پر بھی خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے اقدامات سے افریقی النسل لوگ اور دیگر نسلی اقلیتیں غیر متناسب طور سے متاثر ہوتی ہیں۔

کمیٹی نے پولیس اور فوجداری انصاف کے نظام میں نسل پرستانہ رجحانات کو بھی باعث تشویش قرار دیا ہے۔

کمیٹی نے برطانیہ پر زور دیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کے خلاف ایسے تمام اقدامات کے حوالے سے شکایات کا ازالہ کرنے کا آزادانہ طریقہ کار وضع کرے اور حقوق کو پامال کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی اور انہیں سزا دینے کے لیے موثر اقدامات کرے۔ (بشکریہ یواین خبرنامہ)

ترتیب وادارت: ادریس بابر

انسانی حقوق

یہ جو انسان ہیں مثلِ حیوان ہیں
وحشتوں ڈھلے مشکلوں میں پلے
خود تپش میں جلے، جیسے ڈھالا ڈھلے
رزق اور ذلتیں ایک برتن میں تھیں
جب گلے سے اتارا، پرے گر گئے
آدھے نگلے ہوئے آدھے کھائے ہوئے
ذات پات اونچ نیچ اور دھرم نسل سب
گوت، قومیں، قرابت نژاد
اور چلن، حیثیت مرتبہ دین، کنبہ ودہن
لوگ کچلے ہوئے جسم
روندے ہوئے پستیوں میں گرے
کون پوچھے انہیں کون دیکھے
انہیں کس جہنم میں ان کو دھکیلا گیا
کون سے جرم کی یہ سزا ہے کہو،
کوئی دم کوئی دن ساتھ ان کے رہو
نسل درنسل تحقیر تقدیر ہے،
زیست تعزیر ہے مسندیں، تخت،
عہدے، امارت شہی اور دنیا دیں
اِن کا کچھ بھی نہیں
یہ ہیں آدم کے پاؤں سے جمے ہوئے
ان کی جانب کوئی آنکھ کھلتی نہیں
آج بھی کچھ نہیں ان کا کل بھی نہیں
عمر کا کیا کہیں،
ان کے حصے میں تو ایک پل بھی نہیں
رنگ گالی بنا،
کس نے دیکھا انہیں کس نے پوچھا انہیں
نسل در نسل ان کو غلامی ملی
کون پوچھے انہیں کون دیکھے انہی

(واجدامیر)

تماشا گر۔۔۔!

تماشا گر۔۔۔ تمھارا شکریہ لیکن
تمھارے لفظ کانوں تک تو آتے ہیں
مگر ان میں چھپی لزت کی شیرینی
ہمارے کرب کے کھاری سمندر میں اترتے ہی
کسی بے نام حسرت کی اچھلتی لہر کو چھو کر
ہوا کا رزق بنتی ہے
نجانے پھر کہاں جا کر برستی ہے
ہمیں ہنسنے کی خواہش ہے
مگر خواہش کا ریشم اس قدر الجھا ہوا ہے
کہ اب الجھے ہوئے ریشم کو
سلجھانے کی خواہش تک نہیں رکھتے
ہمارے مقتدر دشمن ہمیں دیوار پر
لکھا ہوا پڑھنے، سمجھنے کی اجازت تک نہیں دیتے
وہ کہتے ہیں۔۔۔ اگر جینا ضروری ہے
تو پھر خود پر ہوئے ہر ظلم پر تالی بجاؤ
مسیحا مان کر ہم کو
ہمارے گیت گاؤ
تماشا گر۔۔۔ تمھارا شکریہ لیکن
ابھی ہم سن نہیں سکتے
ابھی ہم رک نہیں سکتے
ابھی رونے کا موسم ہے
ابھی ہم ہنس نہیں سکتے

(خالدندیم شانی)

پاکستان میں بڑھتی ہوئی مذہبی شدت پسندی

محمد ثاقب

انصاف کی عدم دستیابی ہی اس طرح کے سانحات کا سبب بنتی ہے جیسا سانحہ ایک دن پہلے سوات میں پیش آیا۔ فزکس کے ایک اصول توانائی کے بقا کا قانون کے مطابق توانائی کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب معاشرے میں انصاف ناپید ہوتا ہے تو اس عدم دستیابی کی صورت میں معاشرے میں موجود انسان خود ہی مدعی، گواہ اور خود ہی جج کا کردار ادا کرتے ہیں جیسا کہ اس سوات والے معاملے میں ہوا۔

گزشتہ کئی سالوں سے عوام کی جانب سے کیئے جانے والے فیصلوں میں تشویش ناک اضافہ ہوا ہے۔ یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ ریاست کے ستوں پارلیمنٹ، انتظامیہ اور عدلیہ اپنا بنیادی کردار ادا کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔

پارلیمنٹ اس لیے کہ پاکستان میں منتخب نمائندے ایسے قوانین بنانے میں ناکام ہوگئے ہیں جن سے پاکستان میں موجود نہ صرف اقلیتی بلکہ اکثریتی آبادی کو مذہبی آزادی ہو اور ان کی جان و مال کی حفاظت کو ممکن بنایا جا سکے۔ انتظامیہ اس لیے کہ جو انسانی حقوق کے بنیادی ڈھانچہ پاکستان کے آئین میں موجود ہے کی پاسداری میں مکمل طور پر ناکام ہوا ہے کہ جہاں آرٹیکل 20 میں ہر شہری کو مذہب اور عقیدے کی آزادی حاصل ہے۔ لیکن انتظامیہ آئین میں موجود تمام آزادیوں کی پاسداری میں مکمل طور پر ناکام ہوئی ہے۔ عدلیہ اس وجہ سے ناکام ہے کہ اگر انتظامیہ اس طرح کے سانحہ کو روکنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو عدلیہ انصاف کو یقینی بنانے میں یا تو انتہائی سست روی کا شکار ہوتی ہے یا پھر مکمل طور پر ناکام ہوتی ہے۔

جب اس طرح کے سانحے وقوع پذیر ہوتے ہیں تو اس سے معاشرے کا ایک خوفناک چہرہ ابھر کر سامنے آتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں عدم برداشت اور انتہاپسندی کے مظبوط رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عوام کا عدلیہ اور انصاف کرنے والے اداروں پر اب اعتماد نہیں رہا۔ اس عدم برداشت کی ایک واضح مثال گورنر سلمان تاثیر کے ماورائے عدالت قتل کا سانحہ ہے۔ جن کو 2011 میں ان کے اپنے ہی گارڈ نے اس وجہ سے قتل کر دیا کہ انھوں نے کہا تھا کہ میں توہین مذہب کی ملزم آسیہ بی بی کے لیے صدر پاکستان سے اس کی سزا کی معافی کی درخواست کروں گا۔ یہ بات ان کے گارڈ کو ناگوار گزری اور اس نے ان کو قتل کر دیا۔ آسیہ بی بی کے کیس میں عدالت نے انتہائی سست روی سے کیس کو چلایا، جن پر 2009 میں الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے توہین مذہب کی ہے ان کو عدالت نے 2014 میں پھانسی کی سزا سنائی تھی اور اس کے بعد 2019 میں شواہد کی عدم موجودگی کے باعث ان کو عدالت نے بری کر دیا تھا۔ لیکن یہ فیصلہ پاکستان کی اعلی عدلیہ کی جانب سے کیا گیا تھا جس سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کی ضلعی اور صوبائی سطح پر موجود عدالتیں بنیاد پرست اور مذہبی شدت پسند لوگوں کے دباؤ کے تحت انصاف پر مبنی فیصلے کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ اس عدالتی سست روی کے سبب عوام خود ساختہ انصاف کی طرف مائل ہوتی ہے۔

اس سوات میں ہونے والے واقع سے معاشرے میں موجود سماجی بے راہ روی اور تعلیم کی کمی کے باعث لوگوں نے بنا کسے تحقیق کے الزامات پر یقین کر لیا اور سلمان قمر پر تشدد کر کے جلا ڈالا۔

اس طرح کے واقعات کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ قانونی اصلاحات کی جائیں جس سے جج اور وکیل کی جان کو خطرہ لاحق نہ ہو۔ عوام کو رواداری کی ترغیب دینے جیسے اقدامات کرنا بھی ریاست کی زمہ داری ہے اور ریاست کی جانب سے ایسے اقدامات کرنا بھی ضروری ہے کی جن میں مزہبی یا فرقہ ورانہ تشدد کے واقعات کی آزادانہ تحقیقات ہوں اور ذمہ داروں کا تعین کر کے عالمی سطح پر تسلیم شدہ اصولوں کے مطابق انصاف کے کٹہرے میں لایا جا سکے۔

تیرہ کی لڑکی نہ سولہ کا لڑکا

نبیلہ فیروز

کرسچن میرج ایکٹ 1872 اور کرسچن ڈائیورس ایکٹ 1869

تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے برطانوی قانون کے تحت چرچ آف انگلینڈ نے برصغیر پاک و ہند میں کرسچن میرج ایکٹ 1872 اور کرسچن ڈائیورس ایکٹ 1869 متعارف کروائے۔ 1947 میں پاکستان کے علیحدہ ملک بننے کے بعد بھی وطنِ عزیز میں یہی قانون رائج رہے۔ 2011 میں قومی کمیشن برائے وقارِ نسواں نے ایک انتہائی سنجیدہ کاوش کے تحت مسیحی وکلاء اور آمادہ فرقوں کی مذہبی قیادت کی مشاورت سے بوسیدہ کرسچن ڈائیورس ایکٹ 1869 میں شق وار ترامیم کر کے اسے پارلیمان میں پیش کرنے کی کوشش کی لیکن بد قسمتی سے یہ مجوزہ بل ٹیبل ہی نہ ہو سکا۔

2019 میں جب ڈاکٹر شیریں مزاری انسانی حقوق کی وزیر تھیں تو انھوں نے وسیع تر مشاورت کے بعد کرسچن میرج اینڈ ڈائیورس ایکٹ کا ایک مسودہ اپنی وزارت کی طرف سے تیار کروایا۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں نے بھی اسے چند سفارشات کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ کمیونٹی ورلڈ سروس (سی ڈبلیو ایس) نیشنل لابنگ ڈیلیگیشن (این ایل ڈی) اور سنٹر فار سوشل جسٹس (سی ایس جے) نے اس پر رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے ایڈووکیسی کی لیکن کیتھولک چرچ کی مخالفت سے یہ بل پاس نہ ہو سکا۔ انھیں بل کے طلاق والے حصے پر اعتراضات تھے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب چرچ آف انگلینڈ کے اپنے قانون بدل چکے ہیں۔ برطانیہ میں یہ مذہبی قانون کی بجائے سول لاء بن چکے ہیں تو پھر پاکستان جو ایک نو آبادی تھا وہاں کیوں ان بوسیدہ قوانین کو اپنائے رکھے جانے پر اصرار ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر 2022 میں اس وقت کے سینیٹر کامران مائیکل، ممبر نیشنل اسمبلی نوید عامر جیوا اور اقلیتی/ پنجاب ممبر قومی کمیشن برائے حقوقِ اطفال ڈاکٹر روبینہ فیروز بھٹی نے یک نکتہ ایجنڈا کو سامنے رکھتے ہوئے صرف شادی کے لئے بچوں کی عمر بڑھانے پر کام شروع کر دیا۔ انھوں نے کرسچن میرج ایکٹ 1872 کی شق 60 میں ترمیم کے لئے حکمتِ عملی بنائی جس کے مطابق بچیوں کو تیرہ سال اور بچوں کو سولہ سال اور اس سے اوپر شادی کی اجازت ہے۔

پارلیمان کے دونوں ایوانوں میں بھرپور لابنگ کی گئی۔ سول سوسائٹی اور مذہبی قیادت سے رجوع کیا گیا۔ اقلیتی بچوں کے وفود کی اس وقت کی کنوینز پارلیمنٹری کاکس آن چائلڈ رائٹس، مہناز اکبر عزیز؛ چیئر مین سینٹ، صادق سنجرانی؛ سپیکر قومی اسمبلی، راجہ پرویز اشرف؛ گورنر پنجاب، بلیغ الرحمٰن سے ملاقات کروائی گئی جہاں بچوں نے اپنے حقوق کا چارٹر پیش کرتے ہوئے بچپن کی شادی کی ممانعت کے حق کو ترجیحی بنیاد پر رکھا۔

آخر کار ستائیس فروری کو اس وقت کے سینیٹر کامران مائیکل کے پیش کرنے پر کرسچن میرج (ترمیمی) ایکٹ 2024 سینٹ سے منظور ہو گیا۔ دس جولائی کو یہ ممبر قومی اسمبلی نوید عامر جیوا کی قیادت میں قومی اسمبلی سے پاس ہوا اور تیئس جولائی کو صدرِ پاکستان، جناب آصف زرداری نے بچوں کے وفد کی موجودگی میں اس پر دستخط ثبت کیے۔ یقیناً اس بل کے آنے سے پاکستان میں بچپن کی شادیوں میں کمی آئے گی۔ پاکستان 1990 سے بین الاقوامی معاہدہ برائے حقوقِ اطفال کا رکن ملک ہے جس کے مطابق اٹھارہ سال سے کم عمر کے افراد بچے ہوتے ہیں اور ان کی شادی نہیں ہو سکتی۔

اس لئے پاکستان اس بات کا پابند ہے کہ ملک میں بچپن کی شادیوں کی قانونی ممانعت ہو۔ پاکستان نے پائیدار ترقی کے اہداف (ایس ڈی جیز) میں بھی اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ 2030 تک ملک میں اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کی شادیوں کا سلسلہ رک جائے گا۔ اس لئے ریاست اس بات کی پابند ہے کہ تمام ملکی قوانین کا اس طرح جائزہ لے کہ بچپن کی شادیوں کی قانونی ممانعت ہو۔

اس ایکٹ کے منظور ہونے سے پاکستان میں مسیحی بچے اٹھارہ سال سے کم عمر میں شادی کے نام پر جنسی زیادتی کا شکار نہیں ہوں گے۔ انھیں پائیدار ترقی کے اہداف میں 3 ایس ڈی جی کے مطابق اچھی صحت اور خیر و عافیت کے مواقع ملیں گے۔ بچپن کی شادی جب بچوں کے جسم کی پوری نشوونما نہیں ہوئی ہوتی ان کی صحت کے لئے بہت نقصان دہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے چھوٹی عمر کی مائیں زچگی کی پیچیدگیوں کا زیادہ شکار ہوتی ہیں اور ان کے نومولود بھی مختلف ذہنی اور جسمانی بیماریوں کا زیادہ نشانہ بنتے ہیں۔ چھوٹی عمر کے شادی شدہ جوڑوں کی ذہنی پختگی بھی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ شادی شدہ زندگی کے تقاضوں کو صحیح طور پر نبھا سکیں اس لئے ان کے درمیاں لڑائی جھگڑے اور گھریلو تشدد کی صورتحال رہتی ہے۔

اس قانون کے پاس ہونے سے مسیحی بچوں کے لئے ایس ڈی جی فور کے مطابق تعلیم کا حصول ممکن ہو گا اور زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے بہتر معاشی مواقع ملیں گے جس سے ایس ڈی جی ون کے پیش نظر غربت میں کمی واقع ہو گی۔ جب لڑکی کی شادی کی عمر تیرہ سال سے بڑھا کر اٹھارہ سال اور لڑکے کی عمر سولہ سال سے بڑھا کر اٹھارہ سال کر دی گئی ہے تو اس سے بچوں میں عمر کی بنیاد پر امتیاز کا خاتمہ ہوا ہے۔ ایس ڈی جی فائیو کے مطابق یہ صنفی برابری کے حصول کی طرف ایک قدم ہے۔

جہاں کرسچن میرج (ترمیمی) ایکٹ 2024 کے پاکستان کے بچوں پر دوررس نتائج مرتب ہوں گے وہاں اس سے آگے بڑھنے کی بھی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہ قانون قومی اسمبلی میں پاس ہوا ہے اس لئے اس کا دائرہ کار صرف اسلام آباد تک محدود ہے۔ تمام صوبائی اسمبلیوں کو چاہیے کہ وہ فی الفور آئین پاکستان کے آرٹیکل 144 کے مطابق اپنی اسمبلی میں قرار داد پیش کر کے اسے اپنے متعلقہ صوبے میں اپنا لیں۔ میناریٹی پرسنل لاز کیونکہ متعلقہ ملکی قانون کو سپر سیڈ (Override) کرتے ہیں اس لیے جہاں جہاں چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ میں بچی کی عمر سولہ سال بھی ہے وہ مسیحی بچیوں پر اثر انداز نہیں ہو گی۔

اس کے علاوہ کرسچن میرج ایکٹ 1872 میں کئی اور خامیاں بھی ہیں جو اسی طرح سے کرسچن میرج (ترمیمی) ایکٹ 2024 میں بھی موجود ہیں جنھیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً نکاح پڑھنے والے پادریوں سے متعلقہ بے قاعدگیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اہل گواہوں کی موجودگی میں نکاح پڑھایا جائے اور خلاف ورزی پر سزائیں اور جرمانہ ہو۔ دن نکلنے کے بعد اور ڈوبنے سے پہلے نکاح پڑھنے کی شرط اِن دنوں غیر ضروری ہے۔ نکاح رجسٹریشن کو یونین کونسل اور نادرا میں آسان اور یقینی بنایا جائے۔ نکاح کی کارروائی کا ترجمہ مادری زبان میں سمجھایا جائے۔ نکاح کے وقت کسی فریق کی دماغی بیماری یا ذہنی خلل کو چھپایا نہ جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ مسیحی بہن بھائیوں کی بہتری کے لئے کرسچن ڈائیورس ایکٹ 1869 کا بھی جائزہ لینے اور اسے آج کے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ طلاقیں تو ہو رہی ہیں اور غلط طریقوں سے ہو رہی ہیں۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔

(بشکریہ ہم سب)

قابل تجدید توانائی کا ارتقاء

سولر منصوبوں میں بین الاقوامی اور مقامی سرمایہ کاروں کی گہری دلچسپی نہ صرف پاکستان کی سرمایہ کاری کی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اہم اقتصادی فوائد کی بھی امید دلاتی ہے

ضرار کھوڑو

1979 میں، جب امریکی صدر جمی کارٹر نے وائٹ ہاؤس کی چھت پر پانی گرم کرنے کے نظام کو چلانے کے لیے 32 سولر پینلز نصب کیے، تو یہ قابل تجدید توانائی کی ترقی کی جانب اہم سنگ میل تھا۔ آج کے معیار کے مطابق یہ پینلز بھاری، غیر مؤثر اور مہنگے تھے (ہر ایک کا وزن 45 کلوگرام تھا اور ان کی تنصیب پر 28,000 ڈالر کی لاگت آئی)۔ یہ پینلز ریگن کے دورِ حکومت میں ہٹا دیے گئے، جو بلاشبہ اس بات کا اشارہ تھا کہ نئے ریپبلکن صدر کو پائیداری اور ماحولیاتی تحفظ کے بجائے فوسل فیولز پسند تھے۔

یہ پینلز ذخیرے میں چلے گئے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک چین کے ایک عجائب گھر میں پہنچ گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آج چین دنیا میں قابل تجدید توانائی کو بڑھانے میں سب سے آگے ہے، اور وہاں زیرِ تعمیر سولر اور ونڈ پروجیکٹس کی تعداد باقی دنیا کے مقابلے میں دوگنی ہے۔

اس وقت چین میں 180 گیگاواٹ سولر پاور اور 159 گیگاواٹ ونڈ پاور کے منصوبے زیرِ تعمیر ہیں، جو امریکہ میں زیرِ تعمیر 40 گیگاواٹ کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ اس سال کی پہلی ششماہی میں، چین کی صاف توانائی کی پیداوار پہلے ہی برطانیہ کی سالانہ کل توانائی کی پیداوار سے زیادہ ہوچکی ہے۔

چین میں موجودہ منصوبوں کو بھی توسیع دی جارہی ہے جیسے کہ کائی پنگ فوٹو وولٹائک پاور اسٹیشن، جو دنیا کا سب سے اونچا سولر پاور پلانٹ ہے، اور سنکیانگ سولر فارم جو پورے پاپوا نیوگنی کو ایک سال تک بجلی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حقیقت میں، رائٹرز کے مطابق، چین نے اتنے زیادہ سولر پینلز نصب کر لیے ہیں کہ وہ ملک کے اسٹوریج اور ٹرانسمیشن انفراسٹرکچر سے زیادہ توانائی پیدا کر رہے ہیں! اور چونکہ چین چھوٹا نہیں سوچتا، وہ دنیا کے تقریباً تمام سولر پینل بنانے کے آلات تیار کر رہا ہے اور — کیونکہ ہم آہنگی ایک اچھی چیز ہے — اب دنیا بھر میں فروخت ہونے والی نصف سے زیادہ نئی الیکٹرک گاڑیاں بھی چین میں تیار ہورہی ہیں۔

امریکہ بھی اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے اور ایک اہم سنگ میل یہ ہے کہ امریکہ نے اس سال پہلی بار ہوا اور سولر سے کوئلے کے مقابلے میں زیادہ بجلی پیدا کی ہے۔

یہ صرف امیر ممالک ہی نہیں ہیں جو اس توانائی کے انقلاب سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، بلکہ غریب ممالک بھی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ درحقیقت، قابل تجدید توانائی کی طرف رجوع کرنا ان غریب ممالک کے لیے نجات دہندہ ثابت ہوسکتا ہے جو بجلی پیدا کرنے کے لیے ایندھن کی درآمدی قیمتوں سے نبرد آزما ہیں۔

یہاں یوراگوئے ایک بہترین مثال کے طور پر ابھرتا ہے؛ یہ جنوبی امریکی ملک درآمد شدہ تیل اور گیس پر بہت زیادہ انحصار کرتا تھا اور، پاکستان کی طرح، ان اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں مالی جھٹکوں کا شکار ہوتا تھا۔ جب ہائیڈل پاور مکمل صلاحیت پر پہنچ گئی اور وہ نیوکلیئر پاور پلانٹس قائم کرنے سے گریزاں تھے جن کے لیے درآمد شدہ یورینیم کی ضرورت ہوتی، یوراگوئے کے اُس وقت کے ڈائریکٹر آف انرجی، رامون مینڈیز گلائن نے ہوا اور سولر پاور پر داؤ لگانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے صاف توانائی کی نیلامیوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جہاں نجی شعبے کو طویل المدتی معاہدے کی پیشکش کی گئی، جس کے نتیجے میں صرف پانچ سال میں قابل تجدید توانائی میں 6 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی۔

یہاں یوراگوئے ایک بہترین مثال کے طور پر ابھرتا ہے؛ یہ جنوبی امریکی ملک درآمد شدہ تیل اور گیس پر بہت زیادہ انحصار کرتا تھا اور، پاکستان کی طرح، ان اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں مالی جھٹکوں کا شکار ہوتا تھا۔ جب ہائیڈل پاور مکمل صلاحیت پر پہنچ گئی اور وہ نیوکلیئر پاور پلانٹس قائم کرنے سے گریزاں تھے جن کے لیے درآمد شدہ یورینیم کی ضرورت ہوتی، یوراگوئے کے اُس وقت کے ڈائریکٹر آف انرجی، رامون مینڈیز گلائن نے ہوا اور سولر پاور پر داؤ لگانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے صاف توانائی کی نیلامیوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جہاں نجی شعبے کو طویل المدتی معاہدے کی پیشکش کی گئی، جس کے نتیجے میں صرف پانچ سال میں قابل تجدید توانائی میں 6 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی۔

مختصر یہ کہ انہوں نے آئی پی پی کا راستہ اپنایا، لیکن توجہ قابل تجدید توانائی پر مرکوز رکھی اور بلاشبہ ان معاہدوں کی شرائط پاکستان میں آئی پی پیز کی شرائط کے مقابلے میں مناسب تھیں۔ اب یوراگوئے اس نقطہ نظر کے ثمرات سمیٹ رہا ہے، توانائی پیدا کرنے کی لاگت نصف ہوچکی ہے اور صاف توانائی کے شعبے میں نئی ملازمتیں پیدا ہورہی ہیں۔

شاید اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ رامون کا وژن ان کے ملک کو غیر ملکی جنگوں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کے مسائل سے عملی طور پر محفوظ کر چکا ہے؛ جولائی 2023 سے اپریل 2024 تک، یوراگوئے مکمل طور پر قابل تجدید توانائی پر چلتا رہا!

یقینی طور پر یہاں پاکستان کے لیے سبق موجود ہے، جو ایندھن کی درآمدات کے لیے بھی بہت زیادہ قیمت ادا کرتا ہے اور درآمد شدہ ایندھن کی زیادہ قیمتوں کی وجہ سے مالی جھٹکوں کا سامنا کرنے کے قابل نہیں ہے۔

یوراگوئے کی طرح، ہم بھی ہوا اور سولر پاور کی قدرتی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہیں، اور شکر ہے کہ ہم اب اس سمت میں اہم پیش رفت دیکھ رہے ہیں۔ حال ہی میں، کے-الیکٹرک نے 640 میگاواٹ کے قابل تجدید توانائی کے منصوبے لگانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور ان منصوبوں میں سے ایک یعنی بلوچستان میں 150 میگاواٹ کے سولر پلانٹ کے لیے بولی کا عمل پہلے ہی شروع ہوچکا ہے، جس کے لیے پاکستان کی کم ترین ٹیرف بولی 11.2 روپے فی یونٹ موصول ہوئی، جس سے پاکستانی قابل تجدید توانائی کے شعبے میں ایک نئی نظیر قائم ہوئی ہے۔ سولر منصوبوں میں بین الاقوامی اور مقامی سرمایہ کاروں کی گہری دلچسپی نہ صرف پاکستان کی سرمایہ کاری کی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اہم اقتصادی فوائد کی بھی امید دلاتی ہے۔ اس کے علاوہ سندھ حکومت کی جانب سے کینجھر جھیل پر 550 میگاواٹ کا فلوٹنگ سولر انرجی پروجیکٹ منصوبہ بندی کے مراحل میں ہے اور ملک بھر میں اسی طرح کے منصوبے جاری ہیں اور جب یہ منصوبے فعال ہوں گے، تو پاکستان کا توانائی کا شعبہ بالآخر ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔

کچھ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ جب ہم پہلے سے موجود صلاحیت کی ادائیگی کرنے کے قابل نہیں ہیں (اور بہت سے معاملات میں اسے استعمال بھی نہیں کر رہے)، تو ہم مزید صلاحیت کیوں بڑھا رہے ہیں، لیکن ہمیں سمجھنا ہوگا کہ کوئی فوری حل موجود نہیں ہے، اور یہ کہ بڑے پیمانے پر قابل تجدید توانائی کی طرف بڑھنا مستقبل میں ہمیں بڑے اخراجات سے بچانے میں مدد دے گا۔

مرد کی غیرت اور کلہاڑی

عباس ناصر

ایک باپ نے اپنی بیٹی پر کلہاڑی سے حملہ کیا

بالائی سندھ کے ہسپتال سے سامنے آنے والی تصویر نے مجھے خوفزدہ کیا کہ جس میں ایک باپ نے اپنی بیٹی پر کلہاڑی سے حملہ کیا وہ بھی اس وجہ سے کہ بیٹی نے بدسلوکی کرنے والے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے گوگل پر خاتون، کلہاڑی اور حملہ لکھا تو میرے سامنے بہت سے حقائق آئے۔

جہاں بات مرد کی غیرت کی ہوتی ہے وہاں کلہاڑی کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ 'غیرت' کے نام پر چھریاں، بندوقوں، پسٹل، پتھروں، چاقو اور حتیٰ کہ مٹی کے تیل اور پیٹرول کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے معاشرے کو سلام ہے کہ جہاں غیرت کے نام پر قتل کے مجرمان کو سزا دیے جانے کی شرح تقریباً صفر ہے جبکہ ایسے واقعات میں اکثر مقتولین کے اہلِ خانہ ہی ملوث ہوتے ہیں۔

ہم میں سے زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چاہے کیسے بھی حالات ہوں، ہمارے اہلِ خانہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ اس مایوسی اور تنہائی کا تصور کریں جو ایسی خاتون کو محسوس ہوتی ہوگی کہ جب اس کا سگا باپ ہی وحشیانہ حملہ کرکے اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالے حالانکہ اس خاتون کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ایک ایسے ہتک آمیز رشتے کو برقرار نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ جہاں اس کا خاوند اسے ظلم کا نشانہ بنائے۔

اسی طرح چند روز قبل ایک اور واقعہ سامنے آیا تھا کہ جہاں کراچی کے علاقے کورنگی میں ایک شخص نے کلہاڑی کے وار کرکے اپنی پوتی کو قتل کردیا تھا۔ لڑکی نے پسند کی شادی کی تھی جس نے اس کے خاندان کو مشتعل کیا اور وہ اپنے شوہر کے ہمراہ جامشورو منتقل ہوگئی۔ اس کے دادا صلح رحمی کے بہانے پوتی کو گھر واپس لائے اور پھر اسے قتل کردیا۔

اس سے قبل کہ آپ مجھ سے کہیں کہ میں ایسے واقعات پر حیرانی کا اظہار کیوں کررہا ہوں جو کہ ہمارے معاشرے میں عام ہوچکے ہیں اور دہائیوں سے رونما ہورہے ہیں، آپ کو بتاتا چلوں کہ جب بھی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں میں شدید اشتعال محسوس کرتا ہوں کیونکہ میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ اگلے روز یہ بات آئی گئی ہوجائے گی۔

مرد کی غیرت کی بات ہے تو یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے خاتون کے قتل پر غم بھی خاتون ہی کرتی ہے جو یا تو اس کی ماں ہوگی یا بہن۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ کہیں مذہب کو استعمال کیا جاتا ہے یا دیگر مثالوں میں قبائلی قوانین اور 'ہماری روایات' کا حوالہ دے کر ایسے انسانیت سوز واقعات کو درست اقدام قرار دینے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

وجوہات چاہیں جو بھی ہوں، اس نوعیت کے واقعات میں قتل ہمیشہ عورت ہی ہوتی ہے۔ اس کی تصدیق کے لیے آپ گوگل پر سرچ کرسکتے ہیں اور 2000ء کی دہائی کے اوائل سے (میرے خیال سے اخبارات کو ڈیجیٹائز کرنے کا سلسلہ تب شروع ہوا تھا) آج کی تاریخ تک رونما ہونے والے بے شمار واقعات آپ کے سامنے آجائیں گے۔

ہماری عظیم اور قابلِ رشک روایات کی بنیاد پر ہم خواتین کو برابری کی نظر سے نہیں دیکھتے اور انہیں مردوں کے برابر حقوق نہیں دیتے۔ وہ جب بھی خودمختار فیصلے کرنا چاہتی ہیں، ہماری انا کو ٹھیس پہنچتی ہے اور ہمارا غصہ بھڑک اٹھتا ہے۔

اعدادوشمار واضح کرتے ہیں کہ مسئلہ پاکستان کے محض ایک حصے تک محدود نہیں ہے۔ 2019ء میں صرف سندھ میں 108 خواتین غیرت کے نام پر موت کے گھاٹ اتاردی گئیں۔ لیکن اس وقت ہماری غیرت سوگئی تھی کہ جب سال 2023ء میں صرف کراچی میں تقریباً 500 خواتین اور لڑکیوں کو جنسی استحصال کا نشانہ بنایا گیا جبکہ 4 ہزار پر جسمانی حملے کیے گئے۔

خیبرپختونخوا کی وادیوں سے لے کر بلوچستان کے پسماندہ علاقوں تک، خواتین کے خلاف جرائم آئے دن رونما ہوتے ہیں جن میں سے اکثریت غیرت سے منسلک ہوتے ہیں۔ مجرم مرد ہی ہوتا ہے جس کی غیرت کو اس وقت کوئی ٹھیس نہیں پہنچتی کہ جب وہ کسی خاتون کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے، حملہ کرتا ہے یا وہ ایسے کسی واقعے کا گواہ ہوتا ہے لیکن پھر بھی اپنے لب سی لیتا ہے۔

اس سے پہلے کوئی یہ سمجھے کہ پنجاب میں اس طرح کے واقعات کی شرح کم ہے، صوبے کے مسئلہ کی ایک جھلک پیش کرنا چاہوں گا۔ 2022ء میں صرف ضلع گجرات میں 39 خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کردیا گیا جبکہ 2023ء میں یہ تعداد 35 تھی۔ یاد رہے کہ پورے پنجاب میں تین درجن سے زائد اضلاع ہیں۔ اب اگر رپورٹ نہ ہونے والے واقعات کو دیکھا جائے تو اضلاع سے قطع نظران کی تعداد میں اضافہ ہوجائے گا۔

تحقیق کے سلسلے میں مجھے حالیہ ہفتوں میں اسی نوعیت کے واقعات کے حوالے سے معلوم ہوا جو ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور میں رونما ہوئے۔

پہلے واقعے میں تو خاتون کو گولی ماردی گئی جبکہ دوسرے واقعے میں شوہر نے پیٹرول چھڑک کر بیوی کو زندہ جلا دیا۔ آخری لمحات میں مقتول پر کیا گزری ہوگی، اس کا تصور بھی اندوہناک ہے۔

جب بھی صحافی یا کالم نگار معاشرے کی ایسی خرابیوں کی جانب توجہ مبذول کروانے کی کوشش کرتے ہیں جو طویل عرصے سے نظرانداز کی جارہی ہوں، تو چند قارئین کہتے ہیں کہ 'آپ منفی کہانیاں رپورٹ کرتے ہیں اور کوئی حل بھی پیش نہیں کرتے۔

تو میں کچھ تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت میری نظر میں ایک باہمت ترین خاتون نے کی تھی۔ پی پی پی کی قیادت کو معاشرے کے اس ناسور کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ آج بھی صوبے میں بھٹو کے نام کی تعظیم کی جاتی ہے۔ بلاول بھٹو زرداری اور ان کی بہن آصفہ بھٹو زرداری کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں اعلیٰ مہم کی قیادت کریں اور ایسے علاقوں پر توجہ دیں کہ جہاں خواتین کے خلاف جرائم رونما ہوتے ہیں۔

ایسی کسی مہم کے لازمی حصے کے طور پر انہیں چاہیے کہ وہ ذاتی طور پر اس بات کو یقینی بنائیں کہ زندہ بچ جانے والی متاثرہ خواتین کو ریاست تحفظ فراہم کرے، ان کی رہائش تبدیل کی جائے اور شاید گواہان کے تحفظ پروگرام کے تحت ان کی شناخت تبدیل کی جائے۔ اس سلسلے میں خصوصی عدالتیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں جہاں غیرت کے متعلق جرائم کے مقدمات کو تیزی سے نمٹایا جاسکے۔

وزیراعلیٰ پنجاب مریم نواز شریف بھی اپنے صوبے میں اسی طرح کی کوششیں کرسکتی ہیں۔ اس معاملے میں دلچسپی لے کر وہ صوبے میں اپنی اور اپنی سیاسی جماعت کی ساکھ کو بہتر بناسکتی ہیں۔ ہمیں اس یاددہانی کی ضرورت نہیں کہ خواتین ہماری آبادی کا نصف حصہ ہیں پھر چاہے ہم ان کے ساتھ کتنا ہی ناروا سلوک کیوں نہ برتیں۔

ایک اور اہم تجویز یہ ہے کہ اس وحشیانہ جرم کی روک تھام کے لیے نیشنل ٹاسک فورس بھی قائم کیا جاسکتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے مجھے اجازت نہیں دی کہ میں ان کا ذکر کروں لیکن خیرپور سے پی پی پی کی رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر نفیسہ شاہ اس نوعیت کے مقدمات میں اپنی اہلیت ثابت کرچکی ہیں۔ ہم نے اس کی مثالیں میگزین اور اخبار میں شائع مضامین کی صورت میں دیکھی ہیں، اگر میں غلط نہ ہوں تو ان کا ڈاکٹریٹ مقالہ بھی اسی متعلق تھا۔ آخر میں، سابق وزیراعظم عمران خان جو بیانیہ تشکیل دینے کے معاملے میں بااثر ہیں، عوام میں پیغام رسانی کے لیے ان کی ساکھ اور شخصیت کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

اگر ہم ان تمام تجاویز پر عمل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو یہ معاشرے میں بڑی تبدیلی لانے کے لیے کوششوں کا آغاز ثابت ہوسکتی ہے۔

(بشکریہ ڈان)

طورخم بارڈر پر مزدوروں کا احتجاج

طورخم ۔9اگست کو طورخم بارڈر پر مزدوروں نے ایف سی، کسٹم، این ایل سی اور دیگر حکام کی جانب سے انہیں بے جا تنگ کرنے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ حکام مزدوروں کے ساتھ ظلم کا سلسلہ بند کریں اور انہیں بہتر روزگار کے مواقع فراہم کریں۔احتجاج کے دوران، مزدوروں نے کالے جھنڈے اٹھا کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔مظاہرین نے کہا کہ اگر ان کی مشکلات حل نہ ہوئیں تو وہ طورخم بارڈر پر ایک طویل مدتی احتجاجی دھرنا شروع کریں گے۔مظاہرین کے مطابق، حالیہ اقدامات اور سختیوں نے ان کی زندگیوں کو مشکل بنا دیا ہے۔اعلیٰ حکام سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس مسئلے کا فوری حل نکالیں اور مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کریں۔

(مسعود شاہ)

متاثرین کا اپنے آبائی علاقوں میں واپسی کے لیے احتجاج

جمرود وادی تیراہ راجگل کے کوکی خیل متاثرین نے جمرود پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ ان کا علاقہ دہشت گردوں سے کلیئر ہو گیا ہے مگر حکومت ان کو وہاں جانے کی اجازت نہیں دیتی ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے اور ہمارے ساتھ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔انہوں نے کہا کہ گزشتہ چودہ دنوں سے جمرود بازار میں ہمارا دھرنا جاری ہے۔لیکن ہمارے مسائل کے حل کی طرف حکومت توجہ نہیں دے رہی۔ اس موقع پر دھرنا کے مشران ملک نصیر احمد کوکی خیل، حاجی براکتخان محمد طور خیل، ثناء اللہ، ملک واحد شاہ آفریدی، اور حاجی احمد شاہ نے کہا کہ جمرود بازار میں گزشتہ دو ہفتوں سے ان کا دھرنا جاری ہے جس میں وہ حکومت سے اپنے گھروں کو واپس جانے کے لئے مطالبہ کر رہے ہیں۔۔انہوں نے کہا کہ مزکورہ متاثرین کی دامان سے خروالے کنڈ او علاقے تک باعزت واپسی کر کے سوات اور وزیرستان طرز پر پیکج دیا جائے جبکہ علاقے میں ترقیاتی کام شروع کیا جائے۔ دھرنے کے شرکاء نے پلان سی کا اعلان بھی کیا جس میں پیر کے دن سے احتجاج میں شدت لا کر پاک افغان شاہراہ کو ہر قسم کی آمد و رفت کے لئے بند کیا جائے گا۔

(منظور آفریدی)

یوٹیلٹی اسٹورز کی بندش کی خبروں پر شہریوں میں تشویش

چمن پاکستان میں مہنگائی دن بہ دن زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔عوام پہلے سے پریشان حال ہیں جبکہ دوسری طرف وفاقی حکومت یوٹیلٹی اسٹورز کو بھی ختم کرنے جا رہی ہے جس سے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا۔ جمعیت علمائے اسلام حلقہ علامہ عبدالغنی شہید چمن کے نائب امیر حافظ سیف الرحمن، عبدالسلام اچکزئی اور دیگر نے کہا ہے کہ عوام پر ظلم کا سلسلہ بند کیا جائے۔حکومت کی جانب سے ایک ہی ریلیف یوٹیلٹی اسٹورز کی صورت میں موجود تھا اب اس کو بھی ختم کیا جا رہا ہے جس سے عوام کی قوت خرید مزید متاثر ہوگی۔حکومت کو چاہیے کہ وہ عوام کیلئے اشیائے خورد و نوش پر سبسڈی دیتی۔عوام سے یوٹیلٹی کی سہولت بھی چھینی جا رہی ہے جس سے ملک میں ہزاروں کی تعداد میں بیروزگار یوٹیلٹی ملازمین کہاں جائیں گے؟ ملک میں پہلے ہی بیروزگاری کی وجہ سے قابل اور تعلیم یافتہ طبقہ بیرون ممالک منتقل ہو رہا ہے۔اب ہزاروں کی تعداد میں مزید لوگوں کو روزگار سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ہم حکومت وقت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس ناجائز اقدام سے پیچھے ہٹ جائے ورنہ ہم یوٹیلٹی اسٹورز کے ملازمین کے ساتھ سڑکوں کا رخ کریں گے۔

(محمد صدیق)

دو نعشیں برآمد

میانوالی تفصیلات کے مطابق، دریائے سندھ سے دو آبہ پپلاں ضلع میانوالی کے مقام پر ایک شخص کی ہاتھ اور دھڑ کٹی نعش برآمد ہوئی ہے۔کسی نے مقتول کے ہاتھ اور سر کاٹ کر دریا میں بہا دیا تھا۔ ریسکیو 1122 کے اہلکاروں نے نعش دریائے سندھ سے نکال کر ہسپتال منتقل کر دی ہے۔ دوسرا وقوعہ موچھ کے علاقہ کچہ میں پیش آیا جہاں ایک شخص جس کی عمر تقریباً 40 سال بتائی جا رہی ہے کی نعش برآمد ہوئی ہے۔اس کی شناخت نہیں ہو رہی۔مقامی پولیس نے مختلف واٹس ایپ گروپوں میں عوام سے اپیل کی ہے کہ اس نعش کو شناخت کرنے میں پولیس کی مدد کی جائے۔

(محمد رفیق)

تشدد سے محنت کش جاں بحق

چنیوٹ 17 جون 2024 کو موضع تاروساہمل میں محنت کش اصغر ولد میاں خان مسلم شیخ مزدور کو اپنی مزدوری مانگنے پر زمیندار ناصر نے دو دیگر نامعلوم افراد کے ہمراہ شدید تشدد کا نشانہ بنایا۔اصغر کو شدید زخمی حالت میں تحصیل ہسپتال داخل کروایا گیا تھا جہاں 20 اگست 2024 کو اس کا انتقال ہو گیا۔پولیس نے مقدمہ درج کر کے کارروائی شروع کر دی ہے۔

(سیف علی خان)

پینے کے پانی کی فراہمی کا مطالبہ

چنیوٹ چنیوٹ شہر کے پہاڑی علاقوں کا پینے کا پانی دو روز سے بند ہے۔میونسپل کمیٹی چنیوٹ کی غفلت کے باعث چنیوٹ شہر کے پہاڑی علاقہ جات کے محلّہ چھپریانوالہ، محلّہ راجاں والا، محلّہ ڈھگی پار و دیگر علاقوں کا پینے کا پانی دو روز سے بند ہے۔لوگ دور دراز علاقوں سے پانی لانے پر مجبور ہیں۔ علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ میونسپل کمیٹی کے آفیسران اور واٹر سپلائی کے عملہ کی غفلت کے باعث معظم شاہ واٹر سپلائی سے ملنے والے پانی کا نظام درہم برہم ہے۔ آئے روز پانی کی سپلائی بند ہو جاتی ہے۔ پائپ لائنوں کی مرمت نہ ہونے سے سوراخ شدہ پائپ لائنوں میں گندی نالیوں کا پانی داخل ہو جاتا ہے۔ پانی کی ٹینکی کی صفائی نہیں ہوتی۔ٹینکی بروقت مرمت نہ ہونے سے اس کی آدھی چھت بھی گر چکی ہے۔ دوسری ٹینکی جگہ جگہ سے ٹوٹی پڑی ہے جو کسی بھی وقت گر سکتی ہے۔ حکام معاملے کا فوری نوٹس لے کر پینے کے پانی کی سپلائی کریں اور غفلت برتنے والوں کا محاسبہ کریں۔

(سیف علی خان)

سیلاب متاثرین امداد کے منتظر

قلعہ عبداللہ قلعہ عبداللہ کے مختلف علاقوں میں سیلاب سے متاثرہ سینکڑوں افراد امداد کے منتظر ہیں۔ دوسری جانب قلعہ عبداللہ بازار کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کیلئے بنایا گیا حفاظتی بند آئے روز لوگوں کی مشکلات کا سبب بن رہا ہے۔ تفصیلات کے مطابق، ضلع قلعہ عبداللہ میں اگست دو ہزار بائیس میں آنے والے سیلاب اور بعد میں وقتاً فوقتاً آنے والے چھوٹے بڑے سیلابی ریلوں نے بڑے پیمانے پر لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے مگر ارباب اختیار نے ابھی تک متاثرین کی مدد کے لیے کچھ نہیں کیا۔ امدادی سامان کی تقسیم میں بدعنوانی کی اطلاعات سامنے آئیں اور اپنے من پسند لوگوں کو دیا گیا، بہت سے متاثرین امدادی سامان سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں جب مختلف لوگوں کی آواز کو میڈیا پر اجاگر کیا گیا تو ان کی دادرسی کیلئے کسی جانب سے کوئی خاطر خواہ اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔ (محمد صدیق)

بلوچستان کی محرومیاں ختم کی جائیں

کوئٹہ ایچ آر سی پی کے زیراہتمام تقریب میں ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ کا اہم خطاب۔ ہم نے سمجھوتہ کیا ہے نہ مستقبل میں بھی کسی سے سمجھوتہ کرینگے، آئین پر یقین رکھتے ہیں لیکن بتایا جائے کہ اس آئین کا کونسا شق بلوچستان میں نافذ ہے۔ ڈاکٹر ماہ رنگ نے مزید کہا کہ جس طرز پر ریاست چلائی جارہی ہے اس طرح ریاستیں نہیں چلتیں۔ (بشکریہ بلوچستان ٹائم)

اقوام متحدہ کا امدادی کارکنوں کے خلاف تشدد پر اظہار تشویش

..... اقوام متحدہ نے انسانی ہمدردی کے کارکنان کے خلاف عام ہونے والے تشدد کی سطح 'ناقابل قبول' قرار دیتے ہوئے مذمت کی ہے۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے 'اے ایف پی' کے مطابق 2023 میں دنیا بھر میں ریکارڈ 280 افراد کی موت ہوئی۔ اقوام متحدہ نے خبردار کیا ہے کہ غزہ پر اسرائیلی افواج کے حملے اس سال اموات کی تعداد میں مزید اضافے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے دفتر رابطہ برائے انسانی امور (او سی ایچ اے) کے قائم مقام ڈائریکٹر جوائس مسویا نے انسانی ہمدردی کے عالمی دن کے موقع پر ایک بیان میں کہا کہ 'امدادی کارکنوں کے خلاف تشدد کو معمول بنانا اور جوابدہی کا نہ ہونا ناقابل قبول، غیر اخلاقی اور تمام جگہ پر امدادی کارروائیوں کے لیے بے حد نقصان دہ ہے۔' اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ غزہ جنگ کے پہلے تین ماہ کے دوران 163 امدادی کارکن ہلاک ہوئے تھے، جن میں زیادہ تر فضائی حملوں میں مارے گئے۔ اگرچہ 2023 میں ہلاکتوں کی تعداد انتہائی زیادہ رہی لیکن او سی ایچ اے کا کہنا ہے کہ 2024 میں اس سے زیادہ تعداد میں ہلاکتوں کا خدشہ ہے، ایڈور کر سیکیورٹی ڈیٹا بیس کے مطابق 9 اگست تک دنیا بھر میں 176 امدادی کارکنوں کو قتل کیا جاچکا ہے۔ دوسری طرف، فلسطینی تنظیم ہلال احمر کا کہنا ہے رضا کار ڈاکٹر کو 230 دن سے جبری طور پر لاپتا کیا گیا۔ الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق فلسطین کی ہلال احمر سوسائٹی (پی آر سی ایس) نے اسرائیل سے فوری طور پر اپنے رضا کار ڈاکٹر سلیمان ابوشریعہ اور اس کے تین ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ ہلال احمر نے سماجی رابطے کی سائٹ ایکس پر پیغام میں کہا ہے کہ 'ہمارے ساتھی کو جبری طور پر 230 دن سے لاپتا کیا گیا ہے، انہیں اسرائیلی غاصب فورس نے شمالی غزہ میں جبالیا کے حلال احمر (ای ایم ایس) مرکز پر چھاپے کے دوران گرفتار کیا تھا' ہلال احمر نے گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مزید کہا کہ 'آج کے دن تک ان کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوسکا جبکہ رہا کیے گئے ساتھیوں کی جانب سے ان پر ناروا سلوک اور تشدد کا ذکر کیا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

نادرا: سہولت یا عوام کے لیے دردسر

چمن نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کا قیام پاکستان میں شہریوں کی شناخت اور دستاویزی معاملات کو آسان بنانے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد ایک ایسا نظام فراہم کرنا تھا جو ہر شہری کی شناخت کو محفوظ رکھے اور بنیادی سہولیات کی فراہمی میں معاون ثابت ہو۔ لیکن آج، نادرا کا نظام اپنی اصل روح سے دور ہوتا دکھائی دیتا ہے اور عوام کے لیے سہولت کے بجائے دردسر بن چکا ہے۔ نادرا دفاتر میں لمبی قطاریں اور بے ترتیبی سب سے پہلی اور اہم شکایت ہے۔ شہری شناختی کارڈ اور دیگر سرٹیفکیٹس کے لیے گھنٹوں قطاروں میں کھڑے رہتے ہیں۔ نادرا کے عملے کی پیشہ ورانہ خدمات بھی ناکافی ہیں۔ عوام کو پیشہ ورانہ سلوک کے بجائے سخت رویے اور بدتمیزی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شناختی کارڈ اور دیگر دستاویزات کے اجراء میں غیر ضروری تاخیر نے بھی عوامی مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔ پاک آئی ڈی ایپ کے آغاز پر عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، لیکن جلد ہی یہ سہولت ایک اور عذاب ثابت ہوئی۔ ایپ کے ذریعے اکثر کیسز نادرا دفاتر کو ریفر کیے جاتے ہیں، جو نادرا کی طرف سے عوام کے ساتھ دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔ میں نے اپنی بیوی کے شناختی کارڈ کی تجدید کے لیے پاک آئی ڈی ایپ سے اپلائی کیا تاکہ نادرا آفس کے چکروں سے بچ سکوں۔ تمام ضروری دستاویزات کے ساتھ اپلائی کرنے کے باوجود، پانچ دن بعد جواب ملا کہ آپ کی بیوی اور ان کے بہن بھائیوں کو نادرا آفس میں حاضری دینی ہوگی۔ قبائلی رنجشوں کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا، لیکن پھر بھی کیس نادرا آفس کو ریفر کردیا گیا۔ اگلے دن صبح سویرے 6 بجے ہم نادرا فیمیل آفس چمن پہنچے، جہاں ہمیں ساڑھے دو گھنٹے انتظار کے بعد 17 نمبر کا ٹکٹ ملا۔ تین گھنٹے بعد جب ٹوکن لینے گئے تو عملے نے غیر ضروری مطالبات شروع کردیے۔ ٹوکن لینے کیلئے بھائی کی حاضری لازمی قرار دی جو کہ انتہائی پریشان کن تھے۔ اگلا دن ہم سیکورٹی میں پہلے بھائی کی حاضری ان کے ساتھ والدین کی 1975 کی شناختی دستاویزات لے کر حاضر ہوئے۔ پھر بہن کی حاضری لازمی قرار دی گئی۔ پھر اگلا دن بہن کی حاضری بھی دی۔ انچارج آفیسر صاحبہ بھی تین دن سے غیر حاضر تھی جب حاضر ہوئی اسی دن انٹرویو لیتے ہوئے غیر متعلقہ سوالات پوچھتے تھے۔ پھر بھی تمام سوالات کے جوابات دیتے ہوئے مطلوبہ اصل دستاویزات کیساتھ فارم جمع کروائے گئے لیکن ہمیں پھر بھی فارم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ غیر ملکی ہونے کا بہانہ بنا کر غریب عوام کے شناختی کارڈ زبلاک کر کے کمیٹی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ نادرا آفس کے موجودہ حالات قابل تشویش ہیں اور ان کے خلاف پاکستان یوتھ پارلیمنٹ میں قرارداد پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عوام کی سہولت کے لیے بنائے گئے ادارے کو ان کی مشکلات کا ذریعہ نہیں بننا چاہیے۔ شفافیت، عملے کی مناسب تربیت، اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال نادرا کو عوام کے لیے حقیقی سہولت بنا سکتا ہے۔

(محمد صدیق)

عورتیں

مبینہ قتل کو خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش

پشاور پشاور کے علاقہ خزانہ میں قتل ہونیوالی آفریدی قبیلے سے تعلق رکھنے والی خاتون سعدیہ کی موت کے بارے میں نئی معلومات سامنے آئی ہیں۔ میدان قومی جرگہ نے قتل کے بارے شفاف انکوائری کا مطالبہ کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اگر واقعے میں ملوث مقتولہ کے شوہر اور ساس کو گرفتار نہ کیا گیا تو قبائلی روایات کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔ باڑہ پریس کلب میں پرہجوم کانفرنس کرتے ہوئے تیراہ میں بنائی گئی کمیٹی اور قومی جرگہ کے مشران نے مقتولہ سعدیہ کے اہل خانہ کے ہمراہ اعلان کیا کہ 10 اگست کو اس بہیمانہ قتل کے بارے میں علاقائی عوامی نمائندگان اور مشران سے مشاورت کی جائے گی جس کے بعد واقعے میں ملوث قاتلوں اور تھانہ خزانہ کے ذمہ دار پولیس افسران کے خلاف قانونی کارروائی کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔ سعدیہ قتل کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مولانا عزت اللہ اور اس کے رشتہ دار انور نے بتایا کہ سعدیہ بنت مرحوم خانزادہ ملک دین خیل عمر خان کی شادی گزشتہ رمضان سے ایک ہفتے پہلے بڈ بھیر کے رہائشی صدیق ولد محمد رحمان حال ساکن خزانہ پشاور سے ہوئی۔ پڑوسیوں کے مطابق، سعدیہ کے ساتھ گھر میں ہمیشہ لڑائی ہوتی اور قتل سے پہلے اس کے شوہر نے دھمکی دی تھی کہ سعدیہ کو ذبح کیا جائے گا جبکہ اس کے بعد اس کی ساس اور شوہر نے اسے بے دردی سے قتل کر کے ہارٹ اٹیک کا ڈرامہ رچایا۔ انہوں نے کہا کہ پولیس نے صرف روزنامچہ کر کے سعدیہ کے قتل میں ملوث اس کی ساس،، سسر اور شوہر کو گرفتاری کے بعد رہا کر دیا جس کے بعد وہ روپوش ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ سعدیہ کے چہرے پر تیزاب پھینکا گیا تھا اور اس کے جسم کے ٹکڑے کیے گئے تھے۔

(مسعود شاہ)

لڑکی کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا

اوکاڑہ تھانہ بصیر پور کی حدود میں واقع گہلن روڈ پر 18 سالہ فاطمہ نور کسی ضروری کام کے سلسلہ میں گھر سے باہر گئی تھی کہ ملزم شہزادا سے ڈرا دھمکا کر نزدیکی فصلوں میں لے گیا جہاں وہ فاطمہ نور کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد فرار ہوگیا۔ متاثرہ خاتون کی والدہ صغراں کی مدعیت میں ملزم کیخلاف مقدمہ درج ہوگیا ہے۔ ڈی پی او اوکاڑہ محمد راشد ہدایت نے واقعہ کا نوٹس لے لیا۔ ایس ایچ او بصیر پور فرخ حسین نے ملزمان کو گرفتار کر کے تفتیش کا آغاز کر دیا ہے۔

(اصغر حسین حماد)

خاتون کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا

نواب شاہ 25 جولائی 2024 کو پیپلز میڈیکل یونیورسٹی ہسپتال نواب شاہ میں شدید زخمی حالت میں نوشہرو فیروز سے منتقل کی جانے والی تشدد زدہ خاتون صوبیہ بتول سے متعلق اطلاع پر ایچ آر سی پی کے اراکین میڈیا کے ہمراہ ہسپتال پہنچے۔ زخمی خاتون صوبیہ بتول کو اس کے شوہر شہروز شاہ، والد غلام مصطفیٰ شاہ اور چچا سمیت دیگر رشتہ داروں نے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ صوبیہ کا کہنا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے گھر میں اپنے 5 سالہ بچے کے ساتھ سوئی ہوئی تھی کہ رات کے ایک بجے اس کا شوہر، والد اور چچا اور کیساتھ گھر میں داخل ہوئے اور کلہاڑیوں اور ڈنڈوں کا استعمال کر کے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا۔ ملزمان نے زخمی صوبیہ کی دونوں ٹانگیں توڑ ڈالیں۔ اس دلخراش واقعہ کا شکار صوبیہ بتول کو مکمل تحفظ اور انصاف کی فراہمی کیلئے HRCP کے اراکین نے میڈیا کے ذریعے متاثرہ خاتون کی آواز بالا حکام تک پہنچانے کیلئے اقدامات کیے۔ وویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ سندھ کی صوبائی وزیر شاہینہ شیر علی نے اس واقعہ کا فوری نوٹس لیتے ہوئے متاثرہ خاتون کو مکمل تحفظ اور انصاف کی فراہمی میں مدد کیلئے ایک ٹیم کو نواب شاہ ہسپتال بھجوایا جبکہ ضلعی حکام نے متاثرہ خاتون کے علاج ومعالجے کے حوالے سے فوری اقدامات کیے۔ واقعہ سے متعلق بتایا گیا ہے کہ صوبیہ بتول نوشہرو فیروز کی رہائشی تھی جس کی شادی اس کے چچازاد سے کرائی گئی تھی جس سے متعلق صوبیہ نے عدالت سے رجوع کیا تھا کہ اس کا شوہر اس پر نشے کی حالت میں تشدد کرتا ہے جس پر عدالت نے تحفظ کیلئے اسے نواب شاہ دارالامان بھجوادیا تھا۔ مورخہ 12 جولائی سے 22 جولائی 2024 تک صوبیہ بتول نے تحفظ کیلئے دارالامان نواب شاہ میں قیام کیا جسے بعدازاں عدالت نے اس کی مرضی کے مطابق اس کی والدہ کیساتھ جانے کی اجازت دیدی تھی۔ مورخہ 25 جولائی 2024 کو رونما ہونے والے پرتشدد واقعہ کے وقت صوبیہ نوشہرو فیروز میں اپنی والدہ کے گھر میں اپنے پانچ سالہ بچے کیساتھ سورہی تھی۔ صوبیہ بتول کے مطابق، اس نے عدالت میں اپنے شوہر کے خلاف درخواست دائر کی تھی اور اس سے تحفظ اور خلع کیلئے استدعا کی تھی جس پر اس کے شوہر نے اپنے باپ کیساتھ ملکر میرے والد غلام مصطفی شاہ کو اکسایا اور انہوں نے میری والدہ کے گھر میں گھس کر مجھ پر تشدد کیا۔ صوبیہ بتول کے مطابق اس کی والدہ، چھوٹا بھائی اور بیٹا بھی غیر محفوظ ہیں۔ واقعہ کے وقت مزاحمت پر اس کی والدہ اور بیٹا بھی زخمی ہوا جبکہ چھوٹے بھائی کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ واقعہ کے وقت اہل محلہ بھی جمع ہوئے لیکن مسلح افراد کی موجودگی میں کسی نے ہماری مدد نہیں کی۔ صبح چھ بجے پولیس نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر مجھے بیہوشی کی حالت میں نواب شاہ ہسپتال منتقل کیا۔ صوبیہ بتول کا آپریشن کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق اسے بہتر ہونے میں مزید چھ ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ دوسری جانب نوشہرو فیروز پولیس نے واقعہ کا مقدمہ درج کر کے صوبیہ کے والد غلام مصطفیٰ شاہ اور ایک اور ملزم کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا ہے جبکہ مزید ملزمان تاحال گرفتار نہیں ہو سکے۔

(آصف البشر)

تین خواتین کا قتل

چنیوٹ،اوکاڑہ 25 اگست کو تھانہ رجوعہ کے علاقہ میں گھریلو تنازعہ پر ایک خاتون قتل کر دی گئی۔ ملزم ریاض نے اپنے بہنوئی کے ساتھ مل کر اپنی بیوی پروین بی بی کو گلا دبا کر قتل کر دیا۔ تھانہ رجوعہ پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ پولیس کے مطابق، حسب ضابطہ کارروائی عمل میں لائی جارہی ہے۔ لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال چنیوٹ منتقل کر دیا گیا۔ اوکاڑہ کے شہر دیپالپور میں امین نامی شخص نے اپنی بیوی کو گھر میں اکیلا پا کر تیز دھار آلہ سے اس کا گلا کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دیپال پور سٹی پولیس اطلاع ملنے پر موقع پر پہنچ گئی۔ پولیس نے ملزم کو آلہ قتل سمیت گرفتار کر لیا اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے۔ اوکاڑہ کے ہی نواحی قصبہ 18 ون اے ایل کی رہائشی 20 سالہ نادیہ بی بی کھیتوں میں کام کر رہی تھی کہ اچانک اسلحہ سے مسلح غلام رسول آیا اور گن پوائنٹ پر نادیہ بی بی کو اغواء کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نادیہ بی بی نے مزاحمت کرتے ہوئے شور مچایا جس پر ملزم غلام رسول نے فائرنگ کر کے اسے قتل کر دیا اور فرار ہوگیا۔ پولیس نے ملزم کو گرفتار کر کے لاش پوسٹمارٹم کے لئے ہسپتال منتقل کر دی ہے۔ پولیس نے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کر لیا تھا۔ واقعہ 20 اگست کو پیش آیا تھا۔

(سیف علی خان، اصغر حسین حماد)

جبری گمشدگیوں کے متاثرین کا عالمی دن

----- پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جبری گمشدگیوں کی ظالمانہ سرگرمی کے خاتمے کو ترجیحی بنیادوں پر یقینی بنائے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ یہ بین الاقوامی قانون کے تحت انسانیت کے خلاف جرم ہے۔

ہم وفاقی حکومت سے مندرجہ ذیل مطالبات کرتے ہیں:

1۔ جبری گمشدگیوں کے خلاف ترجیحی بنیادوں پر قانون سازی کی جائے اور اسے جرم قرار دیا جائے۔

2۔ جبری گمشدگیوں سے تحفظ سے متعلق بین الاقوامی کنونشن کی توثیق کی جائے اور اس پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔

3۔ جبری طور پر لاپتا کیے گئے تمام افراد کی فوری اور بحفاظت بازیابی کو یقینی بنایا جائے اور انہیں عدالتوں میں پیش کیا جائے۔جن افراد پر کسی جرم کا الزام ہے، ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے اور ان کے منصفانہ ٹرائل اور معین قانونی ضابطے کے تحت سلوک کے حق کو برقرار رکھا جائے۔

4۔ جبری گمشدگیوں، ماورائے عدالت قتل اور جبری طور پر لاپتا کیے گئے افراد پر حراستی تشدد میں ملوث تمام افراد اور اداروں کو جوابدہ بنایا جائے۔

5۔ جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کے نئے چیئرمین کا تقرر کیا جائے اور کمیشن کی اس طرح تشکیل نو کی جائے کہ وہ متاثرہ خاندانوں کی ضروریات کو مؤثر طریقے سے پورا کر سکے۔

6۔ متاثرین اور ان کے خاندانوں کو ان کے آزادی اور معین قانونی ضابطے کے تحت سلوک کے حق کی خلاف ورزیوں کا معاوضہ فراہم کرنے کے لیے، بشمول ان خواتین کو جو جبری گمشدگی کی وجہ سے اپنے واحد کفیل کو کھو چکی ہیں، ایک شفاف طریقہ کار تشکیل دیا جائے اور اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

7۔ اقوام متحدہ کے جبری یا غیر اختیاری گمشدگیوں سے متعلق ورکنگ گروپ کو پاکستان کا سرکاری دورہ کرنے کی دعوت دی جائے اور اسے اپنی رپورٹ پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔

8۔ متاثرہ خاندانوں کو اظہار رائے اور اجتماع کی آزادی کے حق کو بلا رکاوٹ اور محفوظ طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ (نامہ نگار)

جبری گمشدگیاں: متاثرہ افراد اور خاندانوں کے لیے انصاف کا مطالبہ

--- انسانی حقوق پر اقوام متحدہ کے ماہرین نے کہا ہے کہ جبری گمشدگیوں کے متاثرین کی مدد کرنے اور ان کے حقوق یقینی بنانے کے لیے فوری اور مربوط اقدامات کی ضرورت ہے اور اس مسئلے پر آئندہ عالمی کانفرنس اس مقصد کے حصول کا نادر موقع ہو گی۔ان کا کہنا ہے کہ متاثرین کی خاطر سچائی، انصاف اور ازالے کے لیے جاری کوششوں اور اس حوالے سے قومی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر خصوصی اقدامات کے باوجود اکثر ان کی آواز سنی نہیں جاتی یا ان کے الزامات کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ جبری گمشدگیوں کے خلاف عالمی دن پر ایک مشترکہ بیان میں ماہرین کا کہنا ہے کہ گمشدگیوں کے متاثرین میں ہر وہ فرد شامل ہے جسے اس سے کسی نہ کسی طرح براہ راست نقصان پہنچا ہو۔انہیں ناقابل برداشت مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عموماً ایسے جرائم کا ارتکاب کرنے والے عناصر قانون سے بچ نکلتے ہیں۔ علاقائی اور بین الاقوامی معاہدوں کے تحت متاثرین کے حقوق کو تحفظ دینا ضروری ہے۔ماہرین نے متاثرین اور ان کی مدد کرنے والے اداروں، انسانی حقوق کے محافظوں اور وکلا کے ساتھ یکجہتی کا اظہار بھی کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ جب تمام متعلقہ فریقین باہم متحدہ ہو کر کام کریں تو اس معاملے میں مثبت پیش رفت کا حصول مشکل نہیں۔

مسئلے کے حل کی تلاش

جبری گمشدگیوں کے مسئلے پر بین الاقوامی کانفرنس آئندہ سال 15 اور 16 جنوری کو جنیوا (سوئزرلینڈ) میں منعقد ہو رہی ہے۔ یہ کانفرنس ممالک، متاثرین اور ان کی نمائندہ تنظیموں، انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں اور ماہرین کے لیے جبری گمشدگیوں کا خاتمہ کرنے اور اس مسئلے کی روک تھام کے قابل عمل طریقہ ہائے کار وضع کرنے کا اہم موقع ہوگا۔

ماہرین نے کہا ہے کہ، کانفرنس میں اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے ٹھوس اقدامات پر عملدرآمد کے لیے بات چیت ہوگی اور تمام لوگوں کو جبری گمشدگیوں کے خلاف تحفظ دینے کے عالمی کنونشن کے فریقین کی تعداد بڑھانے میں بھی مدد ملے گی۔

انہوں نے جبری گمشدگیوں کے خلاف کام کرنے والی تمام تنظیموں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کو اس کانفرنس میں شرکت کے لیے کہا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ جبری گمشدگیوں کے متاثرین کے اس عالمی دن پر وہ دنیا بھر میں انہیں مدد دینے اور ہمیشہ کے لیے اس لعنت کا خاتمہ کرنے کے لیے اپنے مشترکہ عزم کا اعادہ کرتے ہیں۔

ماہرین و خصوصی اطلاع کار

غیر جانبدار ماہرین یا خصوصی اطلاع کار اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے خصوصی طریقہ کار کے تحت مقرر کیے جاتے ہیں جو اقوام متحدہ کے عملے کا حصہ نہیں ہوتے اور اپنے کام کا معاوضہ بھی وصول نہیں کرتے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

پولیس کے مبینہ تشدد سے ہلاکت

چنیوٹ پولیس تشدد سے 60 سالہ شخص جاں بحق۔ لواحقین کا ختم نبوت چوک میں لاش رکھ کر پولیس کے خلاف شدید احتجاج۔کوٹ خدا یار کے علاقہ میں پولیس نے ریاض حسین کے گھر پر چھاپہ مار کر دو افراد کو گرفتار کیا تھا۔ دوران حراست ریاض حسین کو تشدد کا نشانہ بنایا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔لواحقین کے احتجاج کی وجہ سے ختم نبوت چوک میں گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں۔مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ تشدد کا نشانہ بنانے والے پولیس اہلکاروں کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے۔ ڈی پی او عبداللہ احمد نے واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے ڈی ایس پی سٹی کو معاملہ کی انکوائری کر کے رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت جاری کر دی تھیں۔

(سیف علی خان)

لاپتا افراد کی نعشیں برآمد

کوئٹہ خضدار اور حب میں 9 لاشیں برآمد: چار کی شناخت جبری لاپتہ افراد کے طور پر ہوئی ہے۔ بلوچستان کے مختلف اضلاع سے انتظامیہ کو 9 لاشیں ملنے کی اطلاعات ہیں جن کی شناخت کا عمل جاری ہے۔ بلوچستان کے ضلع خضدار کے مختلف مقامات سے پانچ افراد کی لاشیں ملی ہیں جنھیں برآمد کر کے خضدار سول اسپتال لایا گیا ہے۔خضدار سے اطلاعات کے مطابق، لاشوں میں سے 5 کی شناخت فیاض جنگ، سعید غلامانی، سعید میراجی، اور نثار احمد کے ناموں سے ہوئی ہے۔ڈی ایس پی پولیس حب امام بخش بلوچ کے مطابق لاشوں کو نکالنے کا عمل جاری ہے۔ بعد ازاں اسپتال منتقل کر کے شناخت کا عمل مکمل کیا جائے گا۔

(فرید شہوانی)

پولیس اہلکاروں کی مبینہ بدعنوانی کی رپورٹنگ پر صحافی پر تشدد

سانگھڑ ٹنڈو آدم کے سینئر صحافی خورشید راجپوت اور اس کے دوست کو پولیس نے مبینہ طور پر اغواء کروا کر ڈکیتی کا مقدمہ درج کر دیا۔ "مجھے سچ لکھنے کی سزا دی گئی میرے مخالفین سے اغواء کرایا گیا۔ ایس ایچ او ٹنڈو آدم سٹی حنیف مہر نیر ہنہ کر کے تصویر بنوائی اور سوشل میڈیا پر وائرل کروائی۔ مجھے عبرت کا نشانہ بناتے ہوئے مکمل برہنہ کر کے وڈیو بنائی گئی اور برہنہ حالت میں عدالت میں پیش کیا گیا۔" خورشید راجپوت۔ ٹنڈو آدم کے صحافی خورشید راجپوت کو پولیس گردی کا نشانہ بنا کر خورشید کے مخالفین کو استعمال کرتے ہوئے ٹنڈو آدم سٹی پولیس نے مبینہ طور پر اغواء کرایا ان خیالات کا اظہار پولیس گردی کا شکار ہونے والے ٹنڈو آدم کے سینئر صحافی خورشید راجپوت اور ان کے دوست شوکت مغل نے عدالت میں جج کے روبرو اور بعد میں میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کیا۔ خورشید راجپوت کا کہنا تھا" میں 9 اگست 2024 رات کے وقت اپنے دوست شوکت مغل کی بیٹی کی منگنی کی رسم میں شریک تھا۔ رات دیر سے گھر جا رہا تھا کہ میرے مخالفین کے ذریعے مجھے سٹی پولیس نے اغواء کرایا۔" ایس ایچ او ٹنڈو آدم سٹی حنیف مہر نے جھوٹ پر مبنی پہلے سے طے شدہ ایک اسکرپٹ کے تحت سانگھڑ کے رہائشی رجب علی نظامانی کی مدعیت میں میرے اور میرے دوست شوکت مغل کے خلاف ڈکیتی اور لوٹ مار کا مقدمہ درج کیا۔ لاکپ میں میرے کپڑے اتار کر میری ننگی وڈیوز اور تصاویر بنائی گئیں۔ مجھے کہا گیا کہ میں آئندہ پولیس کے خلاف اپنی زبان اور قلم کا استعمال نہ کروں۔ میرے انکار پر مجھ پر تشدد کیا گیا اور ایس ایچ او کے احکامات پر مجھ سے جنسی زیادتی کی کوشش کی گئی۔ مجھے قتل کر کے لاش پانی میں پھینکنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ مزید جھوٹے مقدمات درج کرنے اور پولیس مقابلے میں قتل کرنے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔" انھوں نے کہا کہ ان کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ایس ایس پی اور ایس ایچ او کی بدعنوانی کی خبریں شائع کی تھیں۔ گرفتار صحافی خورشید راجپوت اور ان کے دوست نے چیف جسٹس سپریم کورٹ، آئی جی سندھ اور صحافی تنظیموں سے معاملے کا نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ عدالت نے گرفتار صحافی خورشید اور ان کے دوست کو جیل ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا۔

(ابراہیم خلجی)

چیک پوسٹ فوری ہٹائی جائے

چمن چمن کی تاجر برادری نے کوئٹہ چمن شاہراہ پر قائم گڑنگ چیک پوسٹ کو فوری طور پر ہٹانے کا مطالبہ کیا ہے۔ تاجروں کا کہنا ہے کہ اس چیک پوسٹ کی موجودگی سے تجارتی سرگرمیاں بری طرح متاثر ہو رہی ہیں، اور کاروباری افراد کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ گڑنگ چیک پوسٹ پر غیر ضروری روک ٹوک اور مبینہ طور پر بھتہ وصولی نے ان کے کاروبار کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ چیک پوسٹ تجارتی قافلوں کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے سامان کی بروقت ترسیل میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ تاجروں نے الزام عائد کیا ہے کہ اس چیک پوسٹ پر غیر قانونی طور پر پیسے وصول کیے جاتے ہیں، جس سے ان کے کاروباری اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ تاجر برادری نے حکومت بلوچستان اور متعلقہ حکام سے اپیل کی ہے کہ وہ اس مسئلے کا فوری نوٹس لیں اور گڑنگ چیک پوسٹ کو ہٹانے کے لیے اقدامات کریں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس اقدام سے نہ صرف کاروباری افراد کو ریلیف ملے گا بلکہ عوام کی مشکلات میں بھی کمی آئے گی۔

(محمد صدیق)

پاکستان میں بارشیں، سیلاب: مجموعی ہلاکتیں ڈیڑھ سو سے زائد

پاکستان میں مون سون کی حالیہ شدید بارشوں اور ان کے نتیجے میں آنے والے سیلابوں کے باعث گزشتہ تقریباً چھ ہفتوں میں مجموعی طور پر 154 افراد ہلاک ہوئے جبکہ ملک کے بیشتر حصوں میں بارشیں ابھی تک جاری ہیں۔ پاکستان میں حالیہ بارشوں اور سیلاب کے نتیجے میں متعدد دیہی اور شہری علاقے زیر آب آ گئے۔ پاکستان میں قدرتی آفات اور ان کے اثرات کا مقابلہ کرنے والے قومی ادارے نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) کے حکام نے جمعرات آٹھ اگست کے روز خبر رساں ادارے اے پی کو بتایا کہ یکم جولائی سے جاری شدید بارشوں اور کئی علاقوں میں آنے والے سیلاب کے دوران متعدد دیہات زیر آب آ گئے، جس کے نتیجے میں ملک میں مجموعی طور پر 154 انسانی ہلاکتوں کے ساتھ ساتھ 1500 سے زائد مکانات بھی تباہ ہو گئے۔ ان شدید موسمیاتی حالات سے جنوب مغربی صوبے بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں باغات کو بھی شدید نقصان پہنچا جبکہ بارشوں سے صوبہ پنجاب کے دارالحکومت اور ملک کے دوسرے سب سے بڑے شہر لاہور میں بھی بہت سی سڑکیں زیر آب آ گئیں۔ ان حالات کی زد میں پاکستان کے زیر انتظام جموں کشمیر کا خطہ بھی آیا، جہاں شدید بارشوں کے بعد لینڈ سلائیڈنگ کے کئی واقعات رونما ہوئے۔ این ڈی ایم اے کے علاوہ لاہور اور پشاور میں صوبائی حکام نے بھی تصدیق کی کہ پچھلے تقریباً ڈیڑھ ماہ کے دوران مسلسل شدید بارشوں اور سیلابوں کے نتیجے میں بیسیوں واقعات کے دوران ہونے والی انسانی اموات میں سے سب سے زیادہ پنجاب اور خیبر پختونخوا کے صوبوں میں ریکارڈ کی گئیں۔ پاکستان ان دنوں مون سون کے سالانہ موسم کے تقریباً وسطی حصے سے گزر رہا ہے، جو عموماً جولائی میں شروع ہو کر ستمبر تک جاری رہتا ہے۔ ماحولیاتی سائنسدانوں اور موسمیاتی ماہرین کے مطابق پاکستان میں حالیہ برسوں میں کافی زیادہ اور شدید ہو جانے والی بارشیں عالمی ماحولیاتی تبدیلیوں ہی کا حصہ ہیں۔ پاکستان میں سال 2022ء میں تو مسلسل شدید بارشوں کے بعد آنے والے سیلاب اتنے تباہ کن تھے کہ ملک کا تقریباً ایک تہائی حصہ زیر آب آ گیا تھا۔ دو سال قبل یہ سیلاب پورے ملک میں 1739 افراد کی ہلاکت کا سبب بنے تھے اور ان سے پاکستانی معیشت کو مجموعی طور پر 30 بلین امریکی ڈالر کے برابر نقصان ہوا تھا۔

ح ف/ م م (اے پی)

صحت

شہری پینے کے پانی سے محروم

نوشکی شہر کے وسط میں واقع ہندو محلّہ اور بازار کا آبنوشی ٹیوب ویل گزشتہ 20 دنوں سے فنی خرابی کے باعث بند ہے جس کی وجہ سے اس قیامت خیز گرمی میں ہندو محلّہ کے مکینوں اور بازار کے دکانداروں کو حصول آبنوشی کے لیے انتہائی مشکلات، مصائب اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ چوہدری سندیپ کمار، مکیش کمار، دنیش کمار ولیچ اور اقلیتی کونسلر نریش کمار نے کمشنر رخشان، ڈپٹی کمشنر نوشکی اور ایکسین پی ایچ ای کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ ہندو محلّہ کے آبنوشی ٹیوب ویل کو ترجیحی بنیادوں پر درست کر کے آبنوشی کی فراہمی عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ 20 دن گزرنے کے باوجود بھی فنی خرابی کی درستگی میں تاخیر سے جہاں اس قیامت خیز گرمی میں ہندو محلّہ کے مکینوں اور دکانداروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے دوسری جانب پی ایچ ای کی کارکردگی پر بھی سوالیہ نشان ہے۔

(محمد سعید)

تعلیم

تعلیمی بورڈ میں رشوت ستانی کے الزامات

چمن گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن ضلع چمن کے سیکرٹری اطلاعات بسم اللہ خان اچکزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے کو بتایا کہ تعلیمی بورڈ کوئٹہ میں تعینات کمپیوٹر آپریٹر پر امتحانات کے داخلوں میں سہولت کاری فراہم کرنے کے بدلے رشوت لینے کا الزام عائد ہے۔ان کا کہنا تھا کہ کمپیوٹر آپریٹر مستحق طلباء کے داخلوں میں رکاوٹ بن کر ان سے رشوت طلب کرتا ہے جبکہ کئی طلباء کو بغیر ضروری دستاویزات کے امتحانات کے داخلے بھیجنے کی سہولت فراہم کر کے ان سے دس ہزار سے بیس ہزار تک وصول کرتا ہے۔اس کے علاوہ، داخلے کی درخواست کے آن لائن ڈیٹا تک رسائی فراہم نہ کر کے طالبعلموں کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔متعلقہ حکام سے اپیل ہے کہ وہ ان الزامات کی شفاف تحقیقات کریں۔

(محمد صدیق)

چمن کیڈیٹ کالج تاحال ویران

چمن ضلع چمن میں کیڈیٹ کالج اپنے قیام کے کئی برسوں بعد بھی غیر فعال ہے سابق گورنر بلوچستان محمد خان اچکزئی نے سال 2015 کو چمن کیڈیٹ کالج کا منصوبہ شروع کیا گیا۔اس تعلیمی ادارے کا مقصد علاقے کے نوجوانوں کو معیاری تعلیم فراہم کرنا اور ملک کی ترقی میں ان کے کردار کو مضبوط بنانا تھا۔لیکن نو سال گزرنے کے باوجود، یہ ادارہ ابھی تک فعال نہیں ہو سکا جو کہ حکومت کی تعلیمی پالیسیوں اور منصوبہ بندی کی ناکامی کو واضح کرتا ہے۔ یہ تاخیر صرف ایک عمارت کی تعمیر میں نہیں بلکہ ان نوجوانوں کے خوابوں کی تعبیر میں بھی ہوئی ہے جو اس کالج کے قیام سے بہتر مستقبل کی امید رکھ رہے تھے۔حکومت کی جانب سے فنڈز کی فراہمی میں مسلسل تاخیر اور انتظامی مسائل نے اس منصوبے کو ناکامی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ مسئلہ ہے جسے فوری طور پر حل کرنے کی ضرورت ہے۔حکومت کو چاہیے کہ وہ اس منصوبے کو فوری طور پر فعال کرے تاکہ نوجوان نسل کو معیاری تعلیم اور ترقی کے مواقع فراہم کیے جا سکیں۔ (محمد صدیق)

ڈگری گرلز کالج سہولیات سے محروم

گلگت ۔گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج انام بوستان مینگل قادر آباد روڈ پر واقع ہے۔ضلع نوشکی میں یہ خواتین کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ ہے۔ڈگری گرلز کالج میں 1800 سو سے زائد طالبات تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔کالج کی طالبات ایک طرف اساتذہ کی کمی، کھیلوں کے میدان اور دیگر سہولیات کی کمی جیسے مسائل سے دوچار ہیں تو دوسری جانب گرلز کالج کو دیہی فیڈر سے بجلی دی جاتی ہے۔اس ضمن میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ دیہی علاقوں میں 21 گھنٹوں کی طویل لوڈ شیڈنگ کی جا رہی ہے اور اس طرح کالج میں درس و تدریس کے دوران بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اساتذہ اکرم اور طالبات کو بہت زیادہ گرمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کی وجہ سے درس و تدریس کا کام بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔کالج کی طالبات نے حلقہ کے منتخب نمائندوں، اور دیگر حکام بالا کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے گرلز ڈگری کالج میں زیر تعلیم سینکڑوں طالبات کے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے کالج کو سٹی فیڈر سے بجلی کی فراہمی کے لیے ترجیحی بنیادوں پر اقدامات کیے جائیں تاکہ اساتذہ کرام اور طالبات بہتر انداز میں بالترتیب تعلیم کی فراہمی اور کے حصول پر توجہ دیں سکیں۔(محمد سعید بلوچ)

کمسنی کی شادی، 9 ملزمان گرفتار

عمرکوٹ 10 اگست 2024 کو وومین پولیس عمرکوٹ نے کمسن بچی کی شادی کی خفیہ اطلاع پر عمرکوٹ شہر کے قریب درگاہ نمانو شاہ کے نزد اوڈ برادری سے تعلق رکھنے والے گھر میں جاری شادی کی تقریب پر چھاپہ مارا جہاں 10 سالا نرملا بنت پریم اوڈ کی شادی 24 سالا نوجوان سکندر ولد پیارو اوڈ سے ہو رہی تھی۔ وومین پولیس نے نرملا کی سوتیلی ماں اور والد، دولہے اور اس کی ماں سمیت 9 ملزمان کو گرفتار کر کے وومین پولیس تھانہ عمرکوٹ منتقل کیا۔ اطلاع کے مطابق، پولیس نے سیاسی مداخلت کی وجہ سے زیر حراست تمام مبینہ ملزمان کو بعد ازاں رہا کر دیا تھا۔تاہم، ایس پی عمرکوٹ نے معاملے کا نوٹس لے کر جانچ کا حکم دے کر واقعے کی مکمل رپورٹ طلب کر لی ہے۔

(نامہ نگار)

بچے کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کی کوشش

اوکاڑہ تھانہ بی ڈویژن اوکاڑہ کی حدود میں محلّہ نوری آباد میں رہائش پذیر نعمان عرف نومی نے چار برس کے ایک بچے کو ورغلا پھسلا کر اپنی اوطاق میں جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ بچے کی چیخ و پکار پر اہل محلّہ آ گئے تو ملزم بھاگ گیا۔تاہم، بعد ازاں پولیس تھانہ بی ڈویژن اوکاڑہ نے ملزم کو گرفتار کر کے مقدمہ درج کر لیا۔علاقہ کے عوام نے اظہار غصہ کرتے ہوئے اعلی حکام سے مطابلہ کیا ہے کہ اس طرح کے گھناؤنے جرم کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

(اصغر حسین حماد)

دوران ڈکیتی، دو ماہ کا بچہ قتل

اوکاڑہ منڈی احمد آباد کے محلّہ سراج آباد کے رہائشی منظور کے گھر میں رات کو دوران ڈکیتی منظور کی بیوی کی مزاحمت پر 3 نامعلوم ڈاکوؤں نے پسٹل کا بٹ مار کر دو ماہ کے بچے زاہد کو قتل کر دیا اور فرار ہو گئے۔ منڈی احمد آباد پولیس نے مقدمہ درج کے ملزمان کی تلاش شروع کر دی ہے۔ واقعہ 15 جولائی کو پیش آیا تھا۔ علاقہ کے عوام نے اظہار غصہ کرتے ہوئے اعلی حکام سے مطابلہ کیا ہے کہ اس طرح کے گھناؤنے جرم کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

(اصغر حسین حماد)

بچے

کمسن بچے کی نعش برآمد

میانوالی تفصیلات کے مطابق، 19 اگست کو کندیاں کے نواحی علاقہ ساجرای کے رہائشی شیراز خان ولد آزاد خان عمر 7/8 سال دو بجے قرآن شریف پڑھنے گیا اور گھر واپس نہیں آیا۔ والدین نے گاؤں میں بچے کی تلاش کے بعد پولیس کے پاس رپورٹ جمع کروائی۔ بعد میں صبح کے وقت کندیاں کے کمسن شیراز کی نعش برآمد ہوئی۔ پولیس اور ریسکیو 1122 نے موقع پر پہنچ کر نعش تحویل میں لے کر پوسٹ مارٹم کیلیے ہسپتال منتقل کر دی جبکہ انوسٹی گیشن و فرانزک ٹیم نے جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھے کیئے۔ مقدمہ درج ہو گیا تھا۔ (محمد رفیق)

ہیضے کی وباء کا پھیلاؤ

چمن چمن میں ہیضے کی وبا پھوٹنے سے 760 افراد کی حالت خراب ہو گئی۔متعدد کی حالت تشویشناک قرار دی جا رہی ہے۔ چیف جسٹس بلوچستان ہائی کورٹ جسٹس محمد ہاشم خان کاکڑ نے چمن میں ہیضے کی وباء پھوٹ پڑنے، ہسپتالوں میں بستر کم ہونے اور ادویات ختم ہونے کا نوٹس لیا۔(محمد صدیق)

ایچ آرسی پی شکایات سیل

ایچ آرسی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آرسی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدو جہد میں مصروف ہے۔

ایچ آرسی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار	جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آرسی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 فون : 5969 3586 ,8341 3583 ,4994 3586 42 92+ ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : 5969 3584 042 92+ موبائل: 4884 341 0321 92+ ای میل: complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08،فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔74400 فون : 7132 3563 ,7131 3563 21 92+ شکایات سیل (موبائل) : 6287 111 315 92+ ای میل : karachi@hrcp-web.org	43 گلشن اقبال لین (نزد ارباب روڈ سٹاپ) یونیورسٹی روڈ، پشاور فون : 4253 584 091 92+ شکایات سیل (موبائل) : 0640 950 0318 92+ ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
آفس B-1، فلور 2 بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک) جی 8، مرکز، اسلام آباد فون : 1127 835 51 92+ شکایات سیل (موبائل): 4773 569 333 92+ ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ فون : 7869 282 81 92+ شکایات سیل (موبائل) 6125 294 306 92+ ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدر آباد فون : 770 720 ,3688 278 22 92+ فیکس : 4645 278 22 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2222 339 310 92+ ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : 7217 451 61 92+ شکایات سیل (موبائل) : 5529 665 331 92+ ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ یل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : 5553 547 0344 92+ شکایات سیل (موبائل) : 1088 454 355 92+ ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : 365 413 852 92+ شکایات سیل (موبائل) : 2406 234 323 92+ ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan HRCP

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو نما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ